سیّد احمد شہیدؒ کی اردو تصانیف

و

اُردو ادب پران کی تحریک کا اثر

اور

سیّد شہیدؒ کا فقہی مسلک

از

مولانا ڈاکٹر محمّد عبد الحلیم چشتی

ناشر

الرحیم اکیڈمی

اے، ۷/۱، اعظم نگر پوسٹ آفس لیاقت آباد، کراچی ۱۹

هوالشفا

الهی عاصیم مستغفر الله
توئی فریادرس یا رحم الله

ز هر سو پیچ گیرد بر تو شش راه
بجز لا نقش طوطی من حسبه الله

راقمه الاثیم محمد عبد الرحیم غفر له المولی الکریم
ماه محرم الحرام ۱۳۵۶ ه

سیّد احمد شہیدؒ کی اردو تصانیف

و

اُردو ادب پران کی تحریک کا اثر

اور

سیّد شہیدؒ کا فقہی مسلک

از

مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی

ناشر

الرحیم اکیڈمی
اے، ۱/۱، اعظم نگر پوسٹ آفس لیاقت آباد، کراچی ۱۹

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اشاعت	تعداد ۱۰۰۰	باردوم کراچی
طباعت		عکسی
تاریخ طبع		۲۷ شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ
		۷ مئی ۱۹۸۶ء
مطبع		احمد برادرس پرنٹرز ناظم آباد کراچی ۱۸
ناشر		ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن غضنفر ہومیوپیتھ
قیمت		۱۵/- مبلغ بارہ روپے۔
کتابت		عیسیٰ سربازی

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ حمداً کثیراً وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمدؐ وعلی الہ وصحبہ وبارک وسلم

اما بعد حق تعالیٰ عز اسمہ کا یہ محض فضل واحسان ہے کہ اس نے اس ناچیز کو حضرت رئیس المجاہدین، امام المتقین مولانا سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ان دو نادر تصانیف کی اشاعت کی توفیق بخشی کہ جو اب نایاب ہو چکی تھیں

۱۔ تفسیر سورۂ فاتحہ اور ۲۔ حقیقۃ الصلوٰۃ

عرصہ ہوا جب برادرِ بزرگ، ملک کے نامور محقق و دانشور، فاضلِ جلیل مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم صاحب چشتی مدظلہ العالی نے ان دونوں گوہر بے بہا کو تلاش کر کے اپنے حواشی آبدار سے ان کو جلا بخشی، یہ حواشی نہایت ہی قیمتی معلومات پر مشتمل تھے اور ملک کے بعض دینی ماہناموں میں شائع ہو چکے تھے،

یاد رہے کہ فاضل موصوف نے اس سلسلہ میں حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ کی بعض ان ادبی و علمی خصوصیات کو اُجاگر فرمایا ہے کہ جن کی طرف ان سے پہلے حضرت کے دوسرے فاضل سوانح نگاروں کا ذہن کسی وجہ سے منتقل نہ ہو سکا تھا۔ اب خدا کا شکر ہے یہ تحقیقی سرمایہ شائع کر کے عام کیا جا رہا ہے امید ہے اہل علم و اہل تحقیق اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے

ہماری دعا ہے کہ حق تعالیٰ حضرت امام شہید علیہ الرحمۃ کے طفیل اس حقیر کوشش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ہمیں ان کی برکت سے محروم نہ فرمائے۔ آمین۔

حضرات قارئین سے بھی استدعا ہے کہ جو حضرات اس سے استفادہ فرمائیں وہ ہمیں اور ہمارے معاونین کو اپنی دعائے خیر میں یاد رکھیں۔

حقیر فقیر

محمد عبدالرحمن غضنفر عافاہ مولاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید احمد شہیدؒ پر یہ کتاب میرے ان چند مقالات کا مجموعہ ہے جو بیس برس پہلے ماہنامہ "بینات" کراچی اور "الرحیم" شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ میں قسط وار شائع ہوئے تھے، سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریکِ جہاد کو ہند و پاک کے نہایت نامور اہلِ علم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی زید مجدہم اور مولانا غلام رسول مہرؒ نے موضوعِ تحقیق بنایا۔ چنانچہ اول الذکر نے نہایت ایمان افروز اور ثانی الذکر نے نہایت محققانہ کتابیں یادگار چھوڑی ہیں، ان بزرگوں سے سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک کے یہ چند پہلو تشنۂ بحث رہ گئے تھے جن سے ان مقالات میں بحث کی گئی ہے یہ مقالات اب کتابی صورت میں شائع کئے جا رہے ہیں، اس موقع پر مہر صاحب مرحوم کو نہیں بھلایا جا سکتا، اللہ تعالےٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ بڑی خوبیوں کے آدمی تھے، ۱۹۶۶ء میں جب میں چودھری بشیر احمد خان کے ساتھ مولانا مہر سے ان کی قیام گاہ پر ملنے گیا یہ میری ان سے پہلی اور آخری ملاقات تھی، وہ بڑھاپے میں بھی جوانوں سے زیادہ چاق و چوبند تھے، گفتگو مرتب و مسلسل کرتے تھے، ان کی مجلس یادگار مجلس ہوتی تھی۔ سامع پر اچھا اثر چھوڑتی تھی دورانِ گفتگو جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ مقالات میں نے لکھے ہیں تو بہت خوش ہوئے باوجودیکہ ان مقالات میں ان پر تنقید تھی میری تحقیقات کو پسند کیا، بہت سراہا۔ یہ ان کی حق شناسی، قدر دانی اور حوصلہ افزائی تھی، اس زمانے میں اہلِ علم میں یہ بات کم پائی جاتی ہے۔

یہ کتاب میں انہی دو بزرگوں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی و مولانا غلام رسول مہر کے نام معنون کرتا ہوں جن کی تحقیقات نے سید شہیدؒ کی ایمان افروز تحریک سے اہل ملک کو روشناس کرایا اور دعوتِ ایمان و جذبۂ جہاد سے دلوں کو پھر سے گرمایا ہے ، جزاھما اللہ خیرا۔

محمد عبد الحلیم چشتی

یونیورسٹی لائبریری، بایرو یونیورسٹی، کانو، نائیجیریا

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۰ ر دسمبر ۱۹۸۵ء

تفسیر سورۂ فاتحہ

ایک روز تفسیر رفیعی[1] کی تلاش میں انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ خاص میں جانا ہوا۔ کتب خانہ کی قلمی فہرست دیکھی تو سورۃ الحمد کی تفسیر پر نظر پڑی جو حضرت سید احمد شہید کے نام سے فہرست میں درج تھی۔ بڑا جی خوش ہوا۔ فوراً نکلوا کر دیکھا اور افادۂ عام کی غرض سے اس کو نقل بھی کر لیا۔

---

[1] "تفسیر رفیعی" یہ شاہ رفیع الدین دہلوی کی اردو زبان میں سورۂ بقرہ کی تفسیر ہے جو موصوف کے تلمیذ خان سید نجف علی المعروف بہ فوجدار خان نے شاہ رفیع الدین سے درسِ قرآن کے موقع پر قلم بند کی تھی۔ واضح رہے یہ سید نجف علی وہ سید نجف علی جھجری نہیں ہیں جن کی تصانیف سے فیض رح قدسی یادگار ہے۔ جس میں سید احمد، شاہ اسمٰعیل اور شاہ اسحٰق رحمہم اللہ کے حالات مذکور ہیں۔

تفسیر رفیعی موصوف کے فرزند سید عبدالرزاق نے مطبع نقشبندی سے ۱۲۰۲ھ میں شائع کی تھی، اس کا دیباچہ شاہ رفیع الدین کے ترجمۂ قرآن کے سلسلہ میں تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ لہٰذا وہ بھی ہدیۂ ناظرین ہے۔

تفسیر مولانا رفیع الدین در متن و بر حاشیہ تفسیر مولانا یعقوب چرخی رح

از اہتمام سید عبدالرزاق در مطبع نقشبندی طبع گرفت ۱۲۰۲ھ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیّٖنَ وَشَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ وَعَلٰی

سید احمد شہید رح کی مذکورۂ بالا تفسیر بعض وجوہ سے خاص اہمیت کی حامل ہے
تفسیر سورۂ فاتحہ سید احمد شہید رح کی زندگی میں رسالہ حقیقۃ الصلوٰۃ کے ساتھ ۱۲۳۷ھ میں
کلکتہ سے شائع ہوئی تھی جیسا کہ خاتمۃ الطبع کی عبارت سے ظاہر ہوا وہو ھٰذا۔

"الحمد للہ کہ تفسیر الحمد للہ کی ہندی زبان میں جو حضرت رئیس المؤمنین امام العارفین سید المسلمین، قدوۃ السالکین پیر و مرشد حضرت سید احمد رح نے، نفع پہنچائے اللہ ہم کو اور سب مسلمان بھائیوں کو ان کی بقاء سے اور زاید کرے فیض اور ارشاد ان کا، آپ اپنی زبان فیض و ہدایت ترجمان سے فرما کے جامع علوم ظاہری و باطنی جناب مولانا عبد الحی صاحب دام فیضہ سے تحریر کروائی، اور حقیقت صلوٰۃ کی جو بیانِ نماز پنجگانہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) الہ واصحابہ اجمعین. اَمّا بعد

کہتا ہے خاکسار میر عبد الرزاق بن سید نجف علی خان المعروف بہ فوجدار خان غفر اللہ لہ ولوالدیہ کہ والد بزرگوار میری نے بخدمت جناب عالم باعمل و فاضلِ بے بدل واقف علوم معقول و منقول خلاصہ علمائے متاخرین مولوی رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کی عرض کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ترجمہ کلام اللہ تحت لفظی آپ سے پڑھ کر زبان اردو میں لکھوں پھر اس کو آپ ملاحظہ فرما کر اصلاح دیکر درست فرما دیا کریں۔ چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح سے مرتب ہوا اور رواج پایا اُسی صورت سے تفسیر سورۂ بقرہ کے بطور فائدوں کے تمام و کمال مفصل و مشرح لکھی تھی اور موسوم بہ تفسیر رفیعی کیا، اس واسطے کہ نام مبارک ان کا بھی رفیع الدین ہے اور حاشیہ پر دوسرے تفسیر مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت معتبر اور جامع اور نادر و کمیاب ہے کہ آج تک ان دونوں کا چھاپا نہیں ہوا تھا۔ اس عاجز نے اس واسطے خاص و عوام کے چھپوایا کہ سب بھائی اس سے فائدہ دارین کا اٹھاویں اور اس خاکسار کی حق میں دعائے خیر کریں، الٰہی! بخش مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سب بھائی مسلمانوں کو اور اس نسخہ کو رواج دے، آمین یا الٰہ العالمین

ہے اور کئی فائدوں کے ساتھ جسے ایک فاضل کامل حضرت پیرو مرشد کے مریدوں میں سے حضرت کی زبانِ اقدس سے سُن کر ہندی زبان میں لکھا ہے، اہتمام سے عاصی پیر خان اور وارث علی کے جناب مولوی محمد علی صاحب کی تصحیح سے مولوی بدر علی صاحب کیلئے چھاپے ہوئے تھے۔ اگر عالی ہمت کسی مقام پر عبارت محاورے کے مخالف پاویں تو زبان طعنے کی دراز نہ کریں کیونکہ مقصود چھاپنے سے محض خیر خواہی جماعتِ مسلمین کی اور بہتری خواص و عوام مومنین کی ہے نہ آرائش الفاظ کی۔ لہٰذا جو قلمی مولوی صاحب ممدوح کا تھا اگرچہ بعض مقام پر خلافِ محاورہ ہووے بعینہٖ جمادی الآخرہ کی بائیسویں تاریخ ۱۲۳۷ھ میں علیٰ ہاجرہا الصلوٰۃ والسلام طبع ہوا۔ ص ۲۵"

اوّل، تفسیر سورۂ فاتحہ کی یہ تقریر ۱۲۳۵ھ میں ایک مرتبہ سید احمد شہیدؒ نے لکھنؤ میں بھی چند جید علماء کے سامنے کی تھی اور وہ بھی اس سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ چنانچہ لکھنؤ کے نامور عالم مفسرِ قرآن اور صاحب تذکرۂ علماء ہند بزبانِ عربی مولانا محمد اشرف بن نعمۃ اللہ لکھنوی[۱] المتوفی ۱۲۴۴ھ کا تبصرہ جو ان کے شاگرد مولوی شاہ دکنی کے حوالہ سے شیخ عبدالرحیم ضیاء نے ان سے نقل کیا ہے وہ ہدیۂ ناظرین ہے:-

"مولوی عارف شاہ صاحب نے جو اس شہر (حیدر آباد دکن) میں مغتنمات سے ہیں، مجھ سے بیان کیا کہ لکھنؤ میں مولوی محمد اشرف صاحب بڑے باعمل فاضلِ اجل، نہایت متقی پرہیزگار، یگانہ روزگار میرے استاد تھے، قضائے الٰہی

---

[۱] موصوف کے تذکرے کے لئے ملاحظہ ہو، نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۴۲ نیز مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے نزہۃ الخواطر سے ان کا تذکرہ سیرت سید احمد شہیدؒ طبع سوم لکھنؤ ۱۳۶۸ھ میں مختصراً نقل کر دیا ہے مولانا اشرف نے سید احمد شہیدؒ سے ان کی قیامگاہ پر بروز جمعہ بیعت کی تھی۔ دیکھو کتاب مذکور، اور سید احمد شہیدؒ ص ۱۶۹ میں مولانا مہر موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں

(موصوف) تاج اللغات کی ترتیب میں شریک رہے۔ ۱۲۴۲ھ بمرض ہیضہ وفات پائی اور اپنی مسجد واقع جھوائی ٹولہ کے حجرے میں دفن ہوئے۔

اُن کا انتقال ہو۔ بعد چندے ایک روز میں مولوی اصغر صاحب کی خدمت میں بیٹھا تھا اور لوگ بھی حاضر تھے، اُس وقت مولوی محمد اشرف صاحب کے کمالات کا ذکر آیا ہر ایک نے جو جو وصف اُن کا یاد تھا بیان کیا ایک صاحب نے اُن میں سے کہا کہ ہاں ایسے ہی بزرگ تھے مگر انہوں نے معلوم نہیں کیا سمجھ کے سیّد احمد صاحب کے مُرید ہو لئے کیونکہ وہ تو ایک اَن پڑھ آدمی تھے۔ مولوی اصغر صاحب[1] نے کہا کہ ہاں مجھے بھی ایسا ہی خیال تھا اور مجھ کو مولوی اشرف سے تیئس[23] سال تک برابر ملاقات رہی کبھی اُن سے جھوٹ نہیں سُنی۔ ایک روز میں نے اُن کی مریدی کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ جب جناب سیّد احمد صاحب یہاں تشریف فرما ہوئے اور اُن کی رکاب برداری میں بڑے بڑے فاضل و کامل مولانا محمد اسمٰعیل اور مولانا عبد الحی جیسے لوگ تھے تو مجھے بھی سیّد صاحب کی ملازمت کا اشتیاق ہوا، جا کر مشرف ہو کر بیعت سے سرفراز ہوا۔ اُسی دن مجھے دو فائدے ہوئے۔

ایک تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر اُنھوں نے ایسی بیان کی کہ میں نے باوجود کئی تفسیروں کے مضمون یاد رہنے کے کبھی نہ سُنی تھی۔

دوسرا اُسی شب کو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] یہ بظاہر محمد اصغر بن اکبر علی لکھنوی ۱۲۸۶ھ معلوم ہوتے ہیں۔ موصوف کے تذکرے کیلئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر از مولانا عبد الحی لکھنوی طبع دکن ۱۳۸۸ھ جلد ۷، ص ۴۲۸

رویت شریف سے مشرف کیا (گیا) اور جو جو فیض و برکت مجھ کو حاصل ہوا اُس کا کیا بیان کروں [1]۔

جناب مولانا مہر نے "سید احمد شہیدؒ" پر بیعت کے عنوان سے یوں لکھا ہے:

"اس موقع پر جن اکابر و عمائد نے بیعت کی ان میں سے خاص طور پر قابلِ ذکر مندرجہ ذیل اصحاب ہیں: مولانا محمد اشرف، مولوی محمد مخدوم، مولوی امان الدین بنگالی، مولوی امام الدین لکھنوی، مولوی عبدالباسط (شاگرد مولانا اشرف) اس موقع پر مولانا ولایت علی عظیم آبادی نے بیعت کی۔ یہ تعلیم کی غرض سے لکھنؤ آئے ہوئے تھے اور مولانا محمد اشرف کے پاس پڑھتے تھے کہ ایک روز استاد نے شاگرد کو سید صاحب کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے بھیجا جب انھوں نے جا کر پورے حالات بیان کئے تو ملاقات کا شوق پیدا ہوا تخلیہ میں ملنے کے لئے وقت مقرر کرایا۔ استاد شاگرد دونوں پہنچے۔ سید صاحبؒ نے دو گھنٹے تک وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ کی تفسیر ایسے پُر تاثیر انداز میں بیان فرمائی کہ اُستاد، شاگرد دونوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہہ نکلا اسی وقت دونوں نے بیعت کرلی [1]۔ لیکن ان دونوں واقعوں میں تعارض نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے مجمع میں سید شہید نے سورۂ فاتحہ پر تقریر کی ہو اور خلوت میں آیت پاک وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ کی تقریر فرمائی ہو اور یہ کہنا بھی درست ہے کہ ایک ہی مجلس

---

[1] ملاحظہ ہو "سید احمد شہید" کتاب منزل لاہور ۱۹۵۲ء ص ۱۶۹

میں مذکورۂ بالا آیت اور سورۂ فاتحہ پر تقریر کی ہو۔ ایک شخص نے سورۂ فاتحہ کا ذکر کیا اور دوسرے نے آیت پاک وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ کا تذکرہ کر دیا ورنہ پھر میں نے جو واقعہ نقل کیا ہے وہ زیادہ قابلِ اعتبار ہے کیونکہ اس کی سند متصل اور راوی معتبر ہیں۔

دوم، یہ تفسیر اپنی سلاست اور روانی میں اور شاہ عبد القادر دہلوی کی موضح قرآن کے بعد اردو زبان میں دوسری کوشش ہے

سوم، شاہ عبد القادرؒ نے موضح قرآن میں جس طرح ایجاز سے کام لیا ہے اسی طرح سید شہیدؒ نے بھی اس تفسیر سورۂ فاتحہ میں اطناب (مضامین سورت کو زیادہ پھیلا کر بیان کرنے) سے گریز کیا اور جہاں تک ممکن ہو سکا موصوف نے کم سے کم الفاظ میں ہر آیت کا پورا مفہوم و مطلب صحت کے ساتھ ادا کیا۔ اسی وجہ سے اُمّ القرآن کی یہ تفسیر مختصر ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سید شہید کی طبیعت ایجاز پسند تھی۔ تصوف کے موضوع پر صراط مستقیم جو حضرت موصوف کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اس امر کی بیّن دلیل ہے۔

سید شہیدؒ نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر شاہ عبد القادر کے ترجمہ و تفسیر موضح قرآن کی طرح ریختہ کے بجائے ہندی یعنی مروّجہ ہندوستانی میں لکھی تاکہ ہر شخص اس کو بہ آسانی سمجھ سکے۔ چنانچہ طابع و ناشر نے آخر کتاب میں اس امر کی تصریح بھی کر دی ہے۔

اردو زبان کے بعض ناقدوں اور ادا شناسوں کی نگاہ اس دقیق فرق تک نہیں گئی ہے وہ دہلوی، زبان ہندوستان، ہندوی، ہندی، ریختہ کو اردو ہی کے مختلف نام سمجھتے ہیں اور ان کا

خیال ہے کہ اردو کو مختلف زبانوں میں مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے چنانچہ برجموہن وتاتریہ کیفی، کیفیہ میں رقم طراز ہیں :-

" اردو کے نام دہلوی زبان ہندوستان، ہندوی، ہندی ریختہ، اور ہندوستانی وغیرہ ناموں سے اردو مختلف اوقات میں پکاری جاتی رہی ہے، ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی شخص اردو کو کئی نام دیتا ہے [۱] "

ان دقیقہ رس مفسرین نے زبان کے اس قابلِ قدر فرق کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا، ریختہ اور ہندی کے فرق کی بھی مختصر الفاظ میں خوب وضاحت کی ہے چنانچہ بابائے اُردو مولوی عبدالحق لکھتے ہیں :-

" شاہ صاحب (عبدالقادرؒ) نے یہاں (مقدمہ موضح قرآن میں) ریختے اور ہندی متعارف میں (بایں الفاظ کہ اس زبان میں ریختہ نہیں بولی بلکہ ہندی متعارف کا عوام کو بے تکلف دریافت ہو) جو فرق کیا ہے وہ قابلِ قدر ہے ہندی متعارف سے وہی زبان مراد ہے جسے آجکل ہندوستانی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس ترجمے اور تفسیر کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ہندوستانی زبان کسے کہتے ہیں [۲] "

سید شہیدؒ نے بالکل بول چال کی زبان استعمال کی ہے اور

---

[۱] ملاحظہ ہو کیفیہ (اردو زبان کی مختصر تاریخ) طبع دوم شائع کردہ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۱۹۵۰ء ص ۳۲

[۲] پرانی اردو میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر، رسالہ اردو ۱۹۳۷ء

روزمرہ کو نہیں چھوڑا ہے اس میں تصنّع اور لفاظی نہیں ہے۔ ہندی کے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو عام فہم اور اس دور میں محاورے میں رچ بس گئے تھے۔

یہ تفسیر موضوع اور اندازِ بیان دونوں اعتبار سے اہمیت رکھتی ہے اس میں آج بھی ایسی شگفتگی اور دل آویزی موجود ہے جو قدم قدم پر دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

چہارم، اس امر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عوام کو دینی باتوں کے سمجھانے کے لئے عام فہم سلیس اور ٹھیٹ اردو میں مختصر رسالے لکھنے کی داغ بیل سب سے پہلے سید احمد شہیدؒ ہی نے ڈالی تھی، انہی کی روش ان کے خلفاء اور مریدانِ بااخلاص شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولانا خرم علی بلہوری المتوفی ۱۲۷۳ھ اور اولادِ حسن قنوجی المتوفی ۱۲۵۳ھ رحمہم اللہ نے اختیار کی اور روزمرہ کی سادہ اردو میں مفید رسالے لکھے۔

پنجم، تفسیر سورۂ فاتحہ سے سید احمد شہیدؒ کے اندازِ بیان اور طرزِ ادا کا پتہ چلتا ہے اور یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ موصوف کے اندازِ بیان میں صاحب موضح قرآن شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے انداز بیان اور طرزِ ادا کا اثر غالب ہے۔ موصوف کی زبان شاہ صاحب کی زبان سے بہت ملتی جلتی ہے، یہ دراصل شاہ صاحب کی ہم نشینی اور اکبرآبادی مسجد میں ہمہ وقت حاضری کا اثر ہے چنانچہ سرسید احمد خان کا بیان ہے:-

"اوائلِ حال میں شوقِ طالب علمی میں وطن سے وارد شاہجہان آباد

ہو کر حضرت بابرکت مولانا عبدالقادر علیہ الرحمۃ کی خدمت سراسر افادت میں حاضر ہو کر مسجد اکبر آبادی میں فروکش ہوئے اور صرف و نحو میں فی الجملہ سواد حاصل کیا۔ ازبسکہ ذوقِ درویشی اور مسکینی طینت میں پڑی ہوئی تھی اکثر خدمتِ مسجد اور اس مقام کے واردوں خصوصاً درویشانِ پاک طینت کی دور دراز سے تحصیل علم باطنی کے شوق میں جناب مولانا عبدالقادر صاحب مغفور موصوف کی خدمت میں حاضر رہتے خاطرداری اور سرانجام مہام میں ایسے بدل سرگرم ہوتے گویا اس امر کو اہم مہام سمجھے ہوئے تھے۔"[1]

شاہ عبدالقادر دہلوی کے زیر تربیت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمدؒ دونوں ہی رہے ہیں اور دونوں کو موصوف سے شرفِ تلمذ حاصل ہے سید صاحبؒ نے ابتدائے حال میں جہاں موصوف سے معرفت و سلوک میں اکتسابِ فیض کیا وہاں پاس رہنے سے زبان کا مذاق بھی نکھرا، تحریر اور تقریر دونوں میں استاد کا طرز نمایاں ہوا، سید شہیدؒ اور شاہ شہیدؒ دونوں کو روزمرہ سلیس اور عام فہم زبان لکھنے اور حقائق و معارف کے دریا بہانے میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ ہم طبیعتوں کا فرق اندازِ بیان میں بھی نمایاں ہے۔ شاہ شہیدؒ کے لہجہ میں تیزی ہے، ان کے یہاں نرمی، شاہ شہیدؒ کی تحریر میں دریا کا سا تلاطم ہے اور ان کی تحریر میں سمندر کا سا سکون، شاہ شہیدؒ کی تقویۃ الایمان اور سید شہیدؒ کی تفسیر کو سامنے رکھ کر توحید پر دونوں نے جو کچھ لکھا ہے اس پر موازنہ کر لیا جائے حقیقتِ حال واضح ہو جائے گی۔

---

[1] آثار الصنادید ص۱۶ طبع نولکشور لکھنؤ ۱۲۹۳ھ

ان رسالوں کے مطالعہ سے یہ بات بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ سید احمد شہیدؒ اور ان کے خلفاء نے جہاں اسلام کی صحیح ترجمانی کی ہے وہاں ان خاصانِ خدا نے اردو زبان کو بھی بڑی ترقی دی ہے چنانچہ غدر سے پیشتر عام طور پر فارسی لکھنے کا رواج تھا۔ انہوں نے اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے لئے جو زبان اختیار کی وہ اردو تھی اور پھر کمال یہ ہے کہ احکام الٰہی کے لئے جتنی سادہ اور سہل زبان لکھی جا سکتی تھی وہی انہوں نے لکھی ہے۔ اس تفسیر کو لکھے ہوئے ایک سو ساٹھ سال کا عرصہ ہونے آیا، زبان اگرچہ پرانی ہو چکی تاہم آج بھی اوپری نہیں معلوم ہوتی۔ اندازِ بیان بڑا دل نشین ہے۔ سید احمد شہیدؒ کی یہ تفسیر اردو میں سہل ممتنع ہونے کے لحاظ سے اپنے طرز کی پہلی اور آخری تفسیر ہے جو افادۂ عام کی غرض سے ہدیۂ ناظرین ہے، پڑھئے اور لطف لیجئے۔

یہ تفسیر آج پورے ایک سو پینتالیس برس پہلے نستعلیق ٹائپ میں چھپی تھی الفاظ کا املا جیسا ان میں تھا ہم نے بھی اس کو ویسا ہی رکھا ہے۔ مثلاً اُس کا املا "اوس" بڑا کا املا "برا" اور اُدھر کا "اودھر" اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر نہیں کیا ہے۔ طابع اور ناشر نے پرانے دستور کے مطابق کہیں سطر نہیں بدلی تھی ہم نے جہاں سے مضمون بدلا ہے نئی سطر شروع کر دی ہے اور املا میں کوئی تغیّر نہیں کیا۔

چشتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ فاتحہ

اس سورت میں اللہ نے دعا کی طرح بتلائی اور اللہ کے بتلائے برابر کسی کا بتلایا نہیں ہوتا، اس واسطے یہ سورت بڑی بزرگی رکھتی ہے۔

اور دعا میں دستور یوں ہے، ہر کوئی جانے ہے کہ باوجودیکہ سب آدمی محتاج بے مقدور ہیں پر سوال کرتے ہیں جو آدمی سخی کریم باہمت اور بامقدور ہوتا ہے اسی سے مانگتے ہیں جتنا تفاوت آدمیوں میں اوصاف سے ہوتا ہے اتنا ہی سوال کرنے میں فرق پڑتا ہے، جس میں سخاوت نہ ہو اس سے نہیں مانگتے اور جو سخاوت ہو، پر ترش روئی بھی ہو تو اس سے بھی مانگنے میں پرہیز کرتے ہیں اور جو ترش رو بھی نہ ہو، بہت خُلق ہو پر دینے کے پیچھے اتروائے، جتلاوے، منت رکھے، اس سے بھی مانگنا اچھے آدمیوں کو سخت بھاری لگتا ہے۔ اور جو بے مقدور ہو تو اس سے مانگنا ہی نہیں ہو سکتا۔ اور جتنے یہ اوصاف کمال پر ہوں اتنا مانگنا اُس سے خوب ہوتا ہے یہاں تک کہ مانگنا عزت ہو جاتا ہے اور سوال کرنے میں آدمی اول وہ صفتیں اور خوبیاں بیان کرتا ہے کہ جس سے سوال رد نہ ہو اور ایسا کہتا ہے کہ جس سے سوال کرے وہ بھی مان لے اور اقرار کرے کہ ہاں میں ایسا ہی ہوں اور تیرا کہنا سچ ہے تو بھی دل کے اعتقاد سے کہتا ہے، جب یہ سب ہو کر سوال ہوتا ہے تو ہرگز وہ سوال رد نہیں ہوتا بلکہ سوال کرنا واجب (اور ضرور) ہو جاتا ہے۔ ایسے سخی کریم سے، اور اس سے ملنا بھی ایسا یقین ہوتا ہے جیسا اپنے

ہات میں لے لیا۔ جب آدمی کا احوال معلوم کرلے کہ آدمیوں میں ایسا ہو پھر اللہ کی ذات پاک کو کہ جس کی تمثیل نہیں ہو سکتی سمجھے اور مالک، خالق اور مخلوق کا فرق بوجھے کہ جب بندہ مخلوق ایسا ہو تو وہ مالک خالق کس درجے میں ان خوبیوں کے ہے، ان خوبیوں کو سچے دل سے سمجھ کر کہے ایسا کہ ادھر سے جواب پاوے سچ یوں ہی ہے اور تیرا کہنا سچا ٹھیک ہے، پھر اس کے پیچھے سوال ضروری ہے اور اُس کا رد نہیں ہوتا۔ لابد ہی قبول ہوتا ہے اس طرح کہ اللہ تعالےٰ نے ہر کمال اس سورے میں اپنے بندوں کو تعلیم فرمایا تو کہ حضور دل سے سمجھ کر ایسا کہیں کہ جواب پاویں اور سوال کریں اور ایسی صفتیں اللہ کی بیان کریں کہ دل میں تہ نشین ہو جائے کہ ایسے اوصاف والے کی درگاہ میں ہرگز سوال رد نہیں ہوتا۔ ان وصفوں میں پہلے الحمد للہ ہے کہ جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام خوبیاں اسی کی ہیں۔ غیر کی نہیں، فی الحقیقت وہی ہے خوبیوں والا اس میں سب خوبیاں آگئیں، پھر اس کے پیچھے کئی خاص وصفوں کو بیان کیا ہے کہ جن سے بندے کے دل میں حضوری اور بڑی محبت بہت چمک جاوے، اور سوال کی تمہید جیسی چاہیئے ویسی ہی دل میں مضبوط ہو، یہ اُسی کو ہے جو سمجھ کر کہے اور جو غفلت کرے وہ اس نعمت سے رہ جاوے۔ حاصل اتنا ہے کہ سوال مانگنا ایسا ہو کہ ضرور قبول ہو جاوے، خوبیوں کے بیان کرنے سے، اور مالک کے اقرار سے کہ ہاں ایسا ہی ہوں جیسا تو کہتا ہے۔ کیا بڑا اس کا کرم ہے کہ اُس نے آپ ہی بندوں کو سکھلایا کہ کہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

سب حمد اللہ ہی کو ہے

"حمد" کہتے ہیں نیکی اور تعریف خوب کرنے کو۔ مسلمان آدمی جب اُس کو کہیں تب چاہیئے کہ اُس کو تحقیق اسی طور پر سمجھ لیں اور اللہ کے سامنے اس مضمون کو کہ جسے منہہ سے مجمل کہا ہے مفصل سمجھیں اور دل میں یقین لا کر اللہ کے حضور اس مفصل

کو اپنے اعتقاد موجب اثبات پہنچاویں۔ اور اثبات کرنے کی طرح دل میں یہ ہے کہ جس کی تعریف کو خیال کرے سمجھے کہ اللہ ہی کی فی الحقیقت یہ تعریف ہے۔ مثال اس کی جیسا کسی خوبصورت کو جو بڑے درجے کا خوب صورت ہو دیکھے اور اس کے حُسن کی تعریف کرے تو غور کرے کہ اس کی تعریف جو میں کرتا ہوں اس کا حُسن اس کے قابو کا نہیں اور اس نے اپنا حُسن آپ نہیں کر لیا یہ اللہ نے اپنے کرم سے بنایا وہ اس کا خالق ہے، فی الواقع حُسن کا مالک وہی ہے اور تعریف اُسی کی چاہیئے، اُس آدمی کی تعریف کرنی ایک طرح کی غفلت ہے ہر چند درست ہے، اور اسی طور پر حُسن کی تعریف کسی چیز پر ہووے سخاوت پر یا شجاعت پر سب میں یہی بات سمجھے کہ اللہ ہی کی یہ چیز ہے تو اللہ کی تعریفوں کا لحاظ کرے کہ بے شمار ہیں، اور جس بندے میں کوئی وصف ہے سو وہ اسی کی ایک ادنیٰ بخشش ہے کہ اُس نے اپنے بندے کو ایک تعریف کی چیز دی ہے۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پرورش کرنے والا ہے سارے جہانوں کا

سوا خدا تعالےٰ کے جو جو چیز کے عالم میں ہے سب کی پرورش وہی کرتا ہے، پرورش کچھ کھانے پینے پر ہی موقوف نہیں، کھانا پینا بھی ایک پرورش ہے، "فرشتوں کی پرورش" یہ ہے کہ اللہ ان پر ایسی عنایت فرماتا ہے کہ جس سے ان کا کمال بڑھ جاوے اور خوشی زیادہ حاصل ہو، سو پرورش سے وہ بھی خالی نہیں، جیسے کوئی کسی آدمی کو ایسا خوش کرے یا اُس پر مہربانی فرمائے کہ وہ آدمی اُس کے سبب تازہ فربہ ہو جاوے یہ کھانا دینے سے بہتر ہے اور بڑی پرورش ہے، اللہ کی عنایت اسی طور پر ہوتی ہے فرشتوں کی پرورش یونہی کرتا ہے۔

"ربّ العالمین" کا وصف بڑا وصف ہے کیونکہ وہ پرورش کرتا ہے تمام جہانوں کی کہ جن کا کچھ پایان نہیں، دوست دشمن، بھلے بُرے کو، بھوکوں کو بغیر سوال

کے پالتا ہے، جو ایسا رب ہو تو وہ البتہ سوال قبول کرتا ہے۔

فائدہ :- جب مسلمان اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر اُس کی تعریف ایسی کرے کہ اُسے دل سے سمجھے اور ٹھیک جانے کہ اسی طور پر ہے اس میں کچھ تفاوت نہیں فی الحقیقت وہ ایسا ہی ہے، تو اللہ اس پر متوجہ ہو کر اس کا جواب آپ ارشاد فرماتا ہے کہ ہاں میں ایسا ہی ہوں اور اُس بندے کو بھی جتاتا ہے، اس جواب پر ہر ایک بندہ اپنے مرتبے کے موافق یا کلام سُنتا ہے یا اُسے الہام ہوتا ہے یا دل کو تسکین اور قرار اور خوشی اللہ کے متوجہ ہوتی ہے اور قبول کرنے کی پائی جاتی ہے حضورِ دل سے سمجھ کر سوال کرنے کے سبب یہ بات ہوتی ہے اس میں تفاوت نہیں ہوتا۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بہت رحم والا ہمیشہ کو رحم کرتا ہے

جو شخص کہ رحم اور پرورش کرتا ہے اور اُس سے ہر کوئی وقت بیوقت مانگے تو گھبراجاتا ہے اور کبھی کبھی خفا ہو کر سخت کہنے لگتا ہے اور جھنجلاتا ہے، اللہ کا ایسا رحم اور ہمیشہ بہت اور ہمیشہ ہے کہ اس کو کبھی کسی کے مانگنے اور پرورش کرنے سے خفگی اور جھنجلاہٹ نہیں آتی، جتنا کوئی مانگے وہ اتنا خوش ہو، اسی لئے اس نے الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فرمایا۔

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ

مالک ہے جزا کے دن کا۔

جزا کا دن قیامت ہے اور اللہ کی مالکیت ہمیشہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، مگر ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ دنیا میں بظاہر اور بھی مالک کہلاتے ہیں گو وہ مالکیت عاریت اور ناپائیدار ہے، کیونکہ اصل مالک اللہ ہی ہے لیکن قیامت میں یہ عاریت کی مالکیت بھی اُٹھ جاوے گی۔ جیسے کوئی شخص کہ کسی زمیندار

کی زمین میں رہتا ہے، اور اس کا رعیتی ہو اور وہ شخص اس زمیندار کے غائبانہ باقی رعیت کے سامنے اپنے تئیں اس زمین کا مالک کہلاتا ہو، تو وہ شخص جب زمیندار کے سامنے جاوے گا تب آپ کو ہرگز مالک نہ کہے گا اور وہ زمین اپنی نہ بتلاوے گا بلکہ اس زمیندار کے روبرو یوں کہے گا کہ میرا جان اور مال اور جورو اور لڑکے سب تمہارے ہی ہیں، اور یہی حال ہوگا اس زمیندار کا وہاں کے راجہ کے سامنے اور اس راجہ کا کسی نواب کے روبرو اور اس نواب کا کسی بادشاہ کے سامنے۔ قیامت کو سب کا حال اس سے زیادہ ہوگا مالکِ حقیقی کے سامنے۔ سو اس طرح اللہ کی مالکیت اور بادشاہی اُس دن آشکارا ہوگی اور سب پر کھلے گی، سب اس کی مالکیت کا اقرار کریں گے کیونکہ اُس کے حضور ہوں گے۔ اور ہر بات پر اللہ کی طرف سے جواب ہوتا ہے جیسا اس کا بیان پہلے لکھا گیا، جب یہ تعریف اور خوبیاں اللہ کی کرے تو اللہ سے اُس کو جو معاملہ ہے سو کہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ

تجھی کو پوجتے ہیں ہم

یعنی عبادت نری اللہ کی ہے، عبادت اصل تعظیم کا نام ہے، تعظیم کی دو طرح ہیں ایک وہ کہ خاص اللہ نے خاص اپنے واسطے مقرر کی جیسے نماز، روزہ، حج۔ نماز کسی کے لئے نہ پڑھے، روزہ کسی کے واسطے نہ رکھے سوا خدا کے، اور جو کوئی سوا خدا کے اور کے واسطے کچھ بھی کرے شرک ہوتا ہے۔ اور اُس کے سوا تعظیم کرنی اُس کو بھی اللہ کے واسطے ایک طرح خاص جانے کہ اللہ کے حکم سے کرتا ہوں، ماں باپ کی تعظیم اور خدمت سب اللہ کے حکم سے بجالاوے کہ اللہ کی مرضی ہے اس واسطے کرتا ہوں اس وجہ سے ساری تعظیم کی صورتیں اللہ کی ہو جاتی ہیں خاص کر۔

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

اور تجھی سے اعانت چاہتے ہیں ہم

"اعانت" کا بھی حال عبادت کا سا ہے۔ ایک اعانت وہ ہے کہ اللہ کے ساتھ خاص ہے جیسے رزق، اولاد، بزرگی مانگنی، کسی سے یہ چیزیں مانگنی درست نہیں ہے اور کسی کے اختیار میں یہ چیزیں نہیں، اور ایک اعانت ایسی ہے کہ ظاہر ایک آدمی دوسرے سے چاہتا ہے جیسے پانی مانگنا، کھانا پکوانا اُس کو بھی اللہ کے حکم سے جانے تو یہ بھی استعانت اللہ سے ہے کہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہم اعانت چاہتے ہیں وہ بھی اللہ کی اعانت ہے۔ جیسے کوئی امیر کہدے کہ پانی میرے خدمت گاروں سے مانگ لیجیو اور کھانا اُن سے پکوا لیجیو، پھر ان خدمت گاروں سے یہ کام لینے، اس امیر کی اعانت ہے، اسی طرح ایک بادشاہ نے فرمایا ہو کہ میرے فلانے غلام کی ایسی تعظیم کیجیو، اُس غلام کی تعظیم بادشاہ کی تعظیم ہے۔ اس وضع سے "عبادت" بمعنی تعظیم کے اور "اعانت" خاص خدا کے لئے سمجھے تو اس کہنے والے کا ایسا حال ہو جاتا ہے جیسے کسی کا غلام کہ ہرگز اور در پہ نہیں جاتا اور کسی سے کچھ نہیں مانگتا گو بھوک تکلیف میں مرے پر اُس در سے نہ ٹلے اور ثنا صفت اپنے مالک کی کرے۔ ایسے غلام پر کتنا ہی مالک سنگدل بخیل ہو اُس کے دل کو بھی جوش اور رحم آجاتا ہے، اگر کہیں سے اُس مالک کو نہ ملیسر آوے تو ایسے غلام کے لئے چاہتا ہے کہ کسی سے مانگ ہی دوں۔ جب اللہ کی ثنا صفت کر کر بندہ یہ کہتا ہے کہ تیری تعظیم کرتا ہوں تجھی سے مدد چاہتا ہوں اور اُس کو دل میں جانچ لے کہ یونہی ہے، اور اللہ اُس کے مطابق اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کا سچا ہونا فرماتا ہے۔ جیسے پہلے بیان گزرا تو خود اللہ اس بندے کی طرف بڑا فضل کرتا ہے، اور جس میں اس کی خوبی اور کمال ہو وہ آپ عنایت فرماتا ہے، پر اللہ نے آپ ہی اپنے کرم سے بتلایا کہ مجھ سے مانگا کرو۔ یہ سب مضمون کہہ کر کر ایسے مضمون کے پیچھے ایسے سائل کی دعا اور سوال کوئی نہیں رد کرتا ہے۔ خدا کے کرم کا تو کچھ پایان نہیں وہ کیوں رد کرے گا اور وہ دعا یہ بتلائی کہ:

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

بتلا ہم کو راہ سیدھی۔

"صراط مستقیم" سے اللہ کی رضا سمجھنا چاہیئے اور چیز اس مقام پر سمجھنی لائق نہیں اس واسطے کہ جو کوئی کچھ مانگے، کتنا ہی خوب سے خوب مانگے اللہ کے خزانوں میں ہزار چند اُس سے بہتر ہو سکتا ہے مثلاً کوئی اللہ سے مانگے ایسی بہشت اس طرح کی حوریں مجھے ملیں اور اُن حوروں کے بیان میں خوبیاں اس کے خیال میں گزریں بلکہ جو ساری مخلوق کے خیال میں گزرے وہ سب کہیں اور اس کے مانگنے کے موافق ہیں اُس حور کے آگے لونڈی سی ہو جاویں۔ اس واسطے اچھا سوال یہی ہے کہ اس کی رضا مانگئے اپنی تجویز نہ کیجیے، اس کی رضا سے جو ہوگا سو خوب ہوگا اور اپنی تجویز بہت بہتر سے بہتر بھی کبھی پشیمانی اور پچھتاوا ہو جاتا ہے۔ جب اپنی تجویز سے بہتر چیز اللہ پیدا کرتا ہے اور نظر آتا ہے اس وقت اس تجویز کرنے والے کو پشیمانی آتی ہے کہ میں نے اپنی تجویز سے زیادہ کیوں نہ مانگا، اس لئے اصل مانگنا اُس کی رضا کا ہے جب اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اپنے بندے سے راضی ہو جو چاہے اور جو گمان خیال سے باہر ہو وہ بخشتا ہے اور دیتا ہے اور اس کی ذات کا بھی تقاضا ہے اور رضا اس کی بے پایاں ہے۔ ہمارے پیغمبر کو اللہ نے وہ چیزیں دیں کہ کسی مخلوق کو نہ ملیں کیا کچھ کمال اور خوبیاں بخشیں، پر اللہ کی رضا ایسی بے شمار ہے کہ مانگنا اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہر نماز میں ہمیشہ موقوف نہ ہوتا مدۃ العمر یہی حکم رہا کہ ہمیشہ صراطِ مستقیم مانگا کریں۔

اور رضا خدا کی ہر اچھے کام پر ہوتی ہے اور اچھا کام کبھی بُروں سے بھی ہو جاتا ہے، جیسے عدالت انصاف کسی بات میں کبھی کوئی کافر بھی کرتا ہے، اور بعضے کافر محتاجوں کو دیتے ہیں، مال خرچ کرتے ہیں اُنھیں جگہوں میں جہاں خرچ کرنا اچھا ہے ایسی

باتوں سے اور کاموں سے اللہ راضی ہوتا ہے پر یہ رضا کچھ کام نہ آوے گی دنیا میں اللہ چاہے بدلا دے پر آخرت میں ان کو کچھ فائدہ نہیں ہے جب اللہ کی رضا بعضے اچھے کام کہ بُروں سے ہوتے ہیں اُن پر بھی ہووے ہے تو اس واسطے صراط المستقیم کا بیان بتلایا۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

راہ اُن کی جن پر فضل کیا تو نے

وہ لوگ پیغمبر اور صدیق اور شہید ہیں صالح ہیں۔ حاصل یہ ہوا کہ اپنی وہ رضا ہمیں دے جو ایسے لوگوں کو دی، نہ ویسی رضا کہ جیسے کسی اچھے کام پر بعضے بُرے لوگوں کو ہو جاتی ہے کہ اُن پر غصّے بھی ہوتا ہے اُن کی برائیوں سے اسی واسطے فرمایا

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ

نہ دے کہ جن پر غصّہ کیا

جیسے گنہگار فاسق کہ خدا کے غضب میں ہیں ہر چند کوئی کام اُن سے اچھا بھی ہو جاوے کہ اللہ کے یہاں مرضی ہو۔

وَلَا الضَّآلِّيْنَ

اور نہ گمراہ ۔

یعنی کافر ہر چند اُن سے بھی کبھی کوئی کام اللہ کی رضامندی کا ہو جاوے پر اُن کی راہ بھی ہرگز نہیں مانگنا ان کے نصیب وہ رضامندی نہیں کہ جو آخرت میں فائدہ دے۔

سید احمد شہید کی تحریک کا اثر۔ اردو ادب پر

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت مذہبی و تاریخی دونوں حیثیتوں سے اس آخری دور میں عوام و خواص کی مرکز توجہ رہی ہے۔ اردو زبان میں سید شہیدؒ پر بیس پچیس برس میں جو کام ہوا ہے، وہ بھی محتاج بیان نہیں، سوانح نگاروں نے ان کی زندگی کے کم و بیش سب ہی گوشوں سے بحث کی ہے پھر بھی ان کی زندگی کے کچھ گوشے محتاجِ تحقیق ہیں۔ حضرت سید شہیدؒ کی زندگی کے ایسے پہلوؤں پر روشنی ڈالنا جن پر اب تک پردہ پڑا ہوا ہے یا ان کی زندگی کے ایسے گوشے سے بحث کرنا جس کے متعلق عوام میں کوئی غلط فہمی پائی جاتی ہے، یہاں کے اہل علم کا اہم فریضہ ہے۔ ہم نے رسالہ "الرحیم" ماہ اگست ۱۹۶۵ء میں موصوف کی زندگی کے ایسے ہی ایک پہلو پر جس کا عنوان تھا "سید احمد شہید" کا فقہی مسلک" گفتگو کی تھی جس سے ارباب تذکرہ نے بحث ہی نہیں کی۔ اور جن سوانح نگاروں نے اس مسئلہ پر کچھ خامہ فرسائی کی ہے، اس سے سید شہیدؒ کے مسلک کو دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں، اسی طرح سید شہید کی زندگی کا ایک اور پہلو بھی ابھی تک سوانح نگاروں کی نظر سے اوجھل رہا ہے اور وہ اردو زبان میں ان کی تصانیف اور اندازِ نگارش کا باب ہے۔

اس موضوع پر بحث سے قبل یہاں اس حقیقت کا اظہار کچھ بیجا نہ ہوگا۔ کہ اردو زبان کو ادب اردو کے جو تاریخ نگار ملے ان کا زاویۂ نگاہ جائزہ ادب کے سلسلہ میں زیادہ وسیع نہیں رہا۔ انہوں نے بہت نثر نگاروں کو جن پر ادب کے بجائے علم و معرفت کا زیادہ غلبہ تھا۔ اور جو ادیب و شاعر کی حیثیت سے نہیں بلکہ عالم، صوفی و مصلح کی حیثیت سے زیادہ متعارف رہے ہیں، یکسر نظر انداز کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر آج تک پردہ پڑا ہوا ہے۔

یہ نقطہ نگاہ کہ ادب کا دائرہ حسن و عشق کی داستان تک محدود ہے، اصولی طور پر غلط ہے۔ کیونکہ علوم و فنون سے زبان کو آشنا شاعر و ادیب نہیں کرتا، فن کار و ماہر کرتا ہے۔ ادیب زبان کو نکھارتا سنوارتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے لہٰذا یہ کہنا بجا ہے کہ جس طرح ایک شاعر و ادیب کا زبان کی ترقی و ترویج میں حصہ ہوتا ہے اسی طرح ایک فلسفی، حکیم اور صوفی کا بھی حصہ کچھ کم نہیں ہوتا۔ یہ بھی زبان کو نئے نئے الفاظ سے روشناس کراتا ہے اور نئے نئے اسلوبِ بیان سے آراستہ کرتا ہے۔ زبان کو وسعت صوفیہ کے حلقوں اور حکماء کی مجلسوں میں نصیب ہوئی ہے[۱]۔ اس لئے زبان کی ترقی کا جائزہ لیتے وقت ان اہل علم کو جن کی بدولت زبان اردو کو ترقی و اشاعت نصیب ہوئی ہے نظر انداز کرنا سخت غلطی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں کی خدمات کو سراہنا اور ان کے کارناموں پر سیر حاصل تبصرہ کرنا ہمارے یہاں کے تاریخ نگاروں کا اولین فرض تھا لیکن تاریخ ادب اردو کے جس تاریخ نگار نے زبان و ادب کا اس وسعتِ نظر سے مطالعہ کیا اور ادب اردو کا صاف دلی سے جائزہ لیا اردو کی خوش قسمتی اور ہماری بد قسمتی سے ایک مستشرق گارساں دتاسی ہے اس نے اس اہم پہلو کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ ایسے بزرگوں کی خدمت کو بہت سراہا اور اس نے سید شہیدؒ کی انقلاب آفریں تحریک کی ان علمی اور عملی خدمات کو جو اس نے ترویج و اشاعتِ اردو کے سلسلہ میں شعوری یا غیر شعوری طور پر انجام دی ہیں خصوصیت سے ذکر کیا ہے، وہ لکھتا ہے :-

---

[۱] اسی وجہ سے بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم نے "اردو کی نشو و نما میں صوفیاء کرام کا حصہ" نامی کتاب لکھی لیکن یہ کتاب جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے صوفیہ کی خدمات تک محدود ہے علماء کرام کی خدمات کا باب ابھی تک تشنۂ تکمیل ہے۔

"اگرچہ ہندوستان میں شیعوں کی تعداد بہت ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کی مذہبی تصانیف زیادہ تر سنیوں ہی کی لکھی ہوئی ہیں تاہم بعض کتابیں شیعوں کی تصنیف سے بھی ہیں۔ لیکن ان میں عجیب تصانیف ان مسلمان فرقوں کی ہیں جو ہندوستان ہی سے مخصوص ہیں، مثلاً "سید احمدیوں" یا ہندوستانی وہابیوں" اور" روشنائیوں" کی تصانیف اور ان کی تردیدی کتابیں ہیں"[1]

مستشرق موصوف کے بعد ہندوستان کے ادب اردو کے تاریخ نگاروں نے اس طرف التفات کیا لیکن وہ مستشرق گارسان دتاسی ہی کی صدائے بازگشت ہے۔[2] چنانچہ رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں

"مولوی اسماعیل صاحب کا مشہور رسالہ "تقویۃ الایمان" اور نیز دیگر مریدان مولوی سید احمد کی تصانیف مثلاً "ترغیب جہاد"، "ہدایۃ المومنین"

---

[1] ملاحظہ ہو خطبات گارسان دتاسی، انجمن ترقی اردو حیدرآباد دکن ۱۹۳۵ء ص ۱۶۸، ص ۱۶۹

[2] اس آخری دور میں حامد حسن قادری نے "تاریخ داستان نثر اردو" میں موضوع کتاب کی مناسبت سے اس بحث کا دائرہ ذرا وسیع کیا ہے لیکن ہمارے اکثر ادباء کی نظر مذہبی کتابوں پر چونکہ کم ہوتی ہے اس لئے بعض اچھی کتابیں تعارف اور تبصرہ سے رہ جاتی ہیں۔ یہ کمی ان کی کتاب میں بھی شدت سے محسوس ہوتی ہے، یہی خامی احسن مارہروی کی کتاب تاریخ نثر اردو طبع علی گڑھ ۱۳۴۹ھ، ۱۹۳۰ء میں ہے انہیں مذہبی لٹریچر قابلِ ذکر اور قابلِ نمونہ صرف شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کا ترجمہ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا بیان القرآن ملا ہے۔ تقویۃ الایمان، نصیحۃ المسلمین، راہِ نجات، حقیقۃ الصلوٰۃ، مظاہر حق، غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار ان کے علم میں نہیں ہیں۔ ضرورت ہے کہ ادباء خاص طور پر مذہبی لٹریچر کا مطالعہ کریں تاکہ زبانِ اردو کا جائزہ ادبی نقطہ نگاہ سے کامل کہا جاسکے۔

"نصیحۃ المومنین" (المسلمین)، "موضح الکبائر والبدعات"، "مائۃ مسائل" وغیرہ ان سب سے زبان اردو کو بھی ضرور تقویت پہنچی۔[۱]

موصوف ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں :-

ایک بہت بڑی تحریک جو ہر چند ادبی نوعیت نہیں رکھتی مگر اس سے بلاشبہ نثر اردو کو بہت فائدہ پہنچا اور اس کی تقویت کا باعث ہوئی مولوی سید احمد بریلوی اور ان کے بزرگ استادوں کے زمانے میں اشاعت مذہب وہابیت کی صورت میں رونما ہوئی۔ جس کی وجہ سے تبلیغ دین کی غرض سے مختلف کتب و رسائل عوام الناس کے فائدے کے واسطے صاف اور سہل زبان میں لکھے گئے یہ خیال بڑا زور پکڑتا اور قوت حاصل کرتا گیا۔[۲]

تاریخ ادب اردو کا مرتب رام بابو سکسینہ، حضرت سید شہیدؒ کی فصاحت لسانی کی داد یوں دیتا ہے :-

"(سید صاحبؒ) چونکہ بڑے قابل اور فصیح شخص تھے لہذا ان کی تقریریں اور وعظ سن سن کر لوگ بکثرت ان کے مرید ہو گئے تھے۔[۳]"

ڈاکٹر محی الدین قادری زور اردو کے اسالیب بیان میں رقمطراز ہیں :

اسی زمانہ میں ایک مذہبی تحریک پیدا ہوئی تھی، جس نے اردو کے اسلوب بیان کی درستی میں بے حد مدد دی، اس کے بانی غیر مقلد[۴] مولوی سید احمدؒ

---

۱ تاریخ ادب اردو مترجمہ مرزا محمد عسکری، طبع سوم، نول کشور، حصہ نثر باب ۱۵ ص ۲۵

۲ ۳ تاریخ ادب اردو مترجمہ مرزا محمد عسکری طبع سوم، نول کشور، حصہ نثر باب ۱۵ ص ۳۴

۴ ڈاکٹر زور مرحوم کا سید شہیدؒ کو غیر مقلد لکھنا۔ سید شہیدؒ کے متعلق کس قدر غیر تحقیقی بات ہے اس کے متعلق دیکھیے "سید احمد شہید" کا فقہی مسلک، الرحیم ماہ اگست ۱۹۶۵ء

تھے اکثر جگہ اور خاص طور پر مشرقی ممالک کا ایک عام قاعدہ ہے کہ ادبی مرقوبات کا سب سے پہلا اور خاص موضوع مذہب ہوتا ہے، چنانچہ سید احمد کی تحریک پر تنقید اور بحث مباحثہ کا ایک طوفان اٹھا اور اس کی وجہ سے اردو نویسوں کے ہاتھ خیالات اور حالات کا ایک کثیر مواد آ گیا۔

مولوی سید احمد صاحبؒ کے پرجوش شاگرد سید عبد اللہ نے ان کی ایک فارسی تصنیف تنبیہ الغافلین[۱] کا اردو میں ترجمہ کیا اور اسے ۱۸۳۰ء میں شائع کیا۔ حاجی اسماعیل شہیدؒ نے تقویت الایمان لکھی اس کے بعد غیر مقلدوں کی طرف سے اور بہت سی کتابیں لکھی اور تصنیف کی گئیں جن میں "ترغیبِ جہاد" اور "ہدایت المومنین" قابلِ ذکر ہیں۔[۲]

اب ہمیں یہ کہنے میں ذرا باک نہیں کہ سید شہیدؒ کا نام اردو زبان کے محسنین میں

---

[۱] ڈاکٹر زور مرحوم کا سید عبد اللہ المتوفی ۱۲۶۵ھ کو سید صاحب کا پرجوش شاگرد کہنا، لکھنا غلط ہے یہ شاگرد نہیں مریدِ با اخلاص تھے۔

[۲] تنبیہ الغافلین فارسی میں سید احمد شہیدؒ کی تصنیف نہیں ہے۔ یہ شاہ رفیع الدین دہلوی کی تصنیف ہے جو موصوف نے سید شہیدؒ کی فرمائش پر عامۂ مسلمین کی اصلاحِ معاشرت اور تصحیحِ عقائد کی غرض سے آسان فارسی میں لکھی تھی۔ اس کتاب کے بیس باب ہیں۔

منشی بینی نارائن جہاں لاہوری جب سید شہیدؒ کے دستِ حق پرست پر اسلام لائے اور ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تو انہوں نے اس کا ترجمہ تنبیہ الغافلین کے نام سے کیا تھا۔ اسی کتاب کے دیباچہ میں موصوف نے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے۔ یہ مخطوطہ انڈیا آفس میں محفوظ ہے۔ جے، ایف، بلوم ہارٹ J.F. BLUIM HURDT جس نے انڈیا آفس لائبریری کے ہندوستانی مخطوطات کی فہرست مرتب کی ہے، لکھتا ہے۔

اس حیثیت سے ہمیشہ یادگار رہے گا کہ انہوں نے "صراطِ مستقیم" کے بعد اظہارِ مدعا کے لئے جو زبان استعمال کی وہ اردو تھی، انہوں نے عوام و خواص کی اصلاح کے لئے سہل اور عام فہم اردو میں رسالے لکھنے کی داغ بیل ڈالی۔ اور پھر اسی روش پر ان کے

Beni Naryan states in the preamble that Tanbih al-ghafilin was compiled in Persian by Shah Rafi-al-Din at the request of Saiyid Ahmad of Bareilly. The work had been originally translated into Rekhtah, but was un-idiomatic and in places unintelligible.

He had therefore at the request of his friends made a complete revision of that translation (P. 8 No. 19)

Catalogue of the Hindustani Ms. by Blum,

Oxford University Press 1926

نیز ملاحظہ ہو گارساں دتاسی، طبع انجمن اردو ص۹ و ص۱۵ بینی نرائن جہاں کے ترجمہ تنبیہ الغافلین پر خلافِ محاورہ اور غلط ہونے کا الزام دراصل مولوی سید عبداللہ بن بہادر علی المتوفی ۱۲۶۵ھ نے لگایا ہے (جیسا کہ آگے آتا ہے) موصوف نے جہان لاہوری کا صراحۃً نام نہیں لیا ہے مگر اشارہ اسی کی طرف ہے اس کا ذکر بلومہارٹ نے بھی کیا ہے۔

سید عبداللہ نے ۱۲۴۵ھ/۱۸۳۰ء میں از سرِ نو تنبیہ الغافلین کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اس کے ابواب میں تقدیم و تاخیر کی اور اس میں پانچ ابواب کا اضافہ کر کے مصنف کی حیثیت سے اپنا نام کتاب پر لکھا۔ یہ کتاب چھپی اور بہت مقبول ہوئی۔

ترجمہ تنبیہ الغافلین پر "نام مصنف کا" کی جو سرخی سرورق پر دی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کی قبولیت کو دیکھ کر کسی شخص نے جلب زر کی غرض سے ناقص اور بودے کاغذ پر اپنے نام سے شائع کر دیا تھا جس کا تذکرہ بھی سرورق اور خاتمۂ کتاب پر کیا گیا ہے، چنانچہ مرقوم

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خلفاء اور ارادت مندوں نے جیسے مولانا شاہ شہید، مولانا خرم علی بلہوری، مولانا اولاد حسن قنوجی اور مولانا کرامت علی جونپوری وغیرہ نے تقویۃ الایمان، نصیحۃ المسلمین، راہِ سنّت و مثنوی سم الروافض اور قوت الایمان وغیرہ لکھیں جن میں سے بعض کتابیں ہمیشہ زندہ رہیں گی کیونکہ مذہبی خیالات اور اصولی عقائد کو عام فہم

؎ بعضے لوگوں نے دنیا کے فائدے پر لحاظ کر کے اس کتاب کو ننگلے کاغذ پر اس قدر غلط اور خراب کر کے چھپوا دیا کہ بیچارے مصنف کی محنت کو برباد کر دیا۔ اس لئے مسلمانوں نے پھر مصنف کو تصحیح کی تکلیف دی اور اس کے چھاپے کے اخراجات میں شریک ہوئے۔ اور خاتمۂ کتاب میں مذکور ہے :-

"اوپر کے مضامین پر لحاظ کر کے صبر کیا اس کتاب کے مصنف نے ان کی نا انصافی اور کم فہمی پر جنہوں نے اس کتاب کی عبارت کے درمیان اپنا نام داخل کیا، اس حرکت سے ان کی معلوم ہوا کہ وے نہیں جانتے اس کو کہ جو کوئی کسی کی تصنیف کی عبارت کے درمیان اپنا نام داخل کرتا ہے وہ شرعاً گنہگار اور عرفاً لوگوں میں بدنام اور ملام ہوتا ہے اگر بسبب چھاپنے کے اپنا نام مشہور کرنا ان کو ضرور تھا تو کتاب سے علیحدہ آخر یا اوّل میں اس کے موافق دستور کے اپنا نام یا چھاپے خانہ کا لکھ دیتے، اللہ تعالیٰ نیت کے مطابق ان کو جزا دے۔

نحمد اللہ و نشکر و نصلی علی اتمام الکتاب

عاصی پرور الدین (فیروز الدین) نے اس کتاب کو بڑی جانفشانی اور کوشش سے پھر ابتداء سے انتہا تک نئے سے مطابق اصل کے تصحیح کروا کر مطبع احمدی میں حاجی سید عبداللہ مرحوم مغفور کے چھپوایا تا کہ لوگوں کو اس کے پڑھنے سے ہدایت نصیب ہو اور اس عاجز کے حق میں دعائے خیر اور اس کتاب کے مصنف کو دعائے مغفرت کریں۔

تاریخ ۱۲ ر شہر صفر المظفر ۱۲۶۴ھ قدسی فقط

تنبیہ الغافلین۔ مطبع احمدی، کلکتہ ۱۲۶۴ھ ص ۶۶ ہم"

اور دلنشین بنانے کے لئے ان سے بہتر و سلیس اردو کا نمونہ اس سے پہلے اردو ادب میں کہیں اور نہیں ملتا۔ اس امر میں بھی بلا شبہ ان بزرگوں میں اولیت کا شرف

سید عبد اللہ نے تنبیہ الغافلین کا جو حال لکھا ہے وہ بھی ذرا پڑھ لیجئے۔

"اس کتاب کا نام تنبیہ الغافلین ہے۔ احوال اس کتاب کا یوں ہے کہ پہلے کسی شخص نے اس کو جس میں بتیس باب تھے فارسی سے ہندی زبان میں ترجمہ کیا تھا، لیکن اکثر الفاظ اس کے بے محاورہ اور نادرست اور آیتیں قرآن مجید کی غلط تھیں۔ چنانچہ اس خاکسار خیر خواہ خلق اللہ سید عبد اللہ ولد سید بہادر علی عفی اللہ عنہ نے اس کی عبارت اور آیتوں کو صحیح اور اس کے مضمون کے مطابق حدیثیں بلکہ کچھ اور آیتیں داخل کر کے اور بیان اور قصے جو جس مقام کے مناسب جانا زیادہ کر کے بارہ سو چھیالیس ہجری (۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء) میں چھپوایا تھا۔ بعد اس کے جب دیکھا کہ اس کے پڑھنے اور سننے سے لوگوں کو بڑی ہدایت ہوئی، تب کئی باب اور کتنے فائدے اور بھی اس میں داخل کر کے کئی مرتبے چھپوا دیا اور وے کتابیں تمام ملک میں پھیل گئیں، پھر خواہش لوگوں کی ویسی ہی باقی رہی۔ ارادہ تھا پھر چھپواؤں اس میں کئی شخص ناحق شناس حاسدوں، دنیا کے لالچیوں نے اپنے نام کو لوگوں میں اس وسیلے سے مشہور کرنے کے واسطے ایک باب آخر میں کلمات کفر کا کہ اس کتاب سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا بلکہ وہ باب فقہ کی کتاب میں چاہیے، لکھ کے بنگلے ناقص کاغذ پر چھپوایا اور اس فقیر کو بہت تکلیف اور رنج دیا، اللہ تعالیٰ اس کی جزا، ان لوگوں کو ان کے عمل کے موافق دنیا اور آخرت میں دیوے۔ غرض اسی کو اصل بنا کے کئی دفعہ لوگوں نے چھپوا دیا، اب جو وہ کتاب اس فقیر کے نظر پڑی اور دو چار ورق اس کے پڑھنے میں آئے تو دیکھا کہ عجیب طرح کا خلط ملط کر دیا ہے اور اکثر مقام میں غلط چھاپا ہے، اس کو دیکھنے سے خاکسار کے دل میں بہت افسوس گزرا اور یوں خیال میں آیا کہ اگر اسی طرح دو ایک مرتبے نا اہلوں کے اہتمام سے یہ کتاب چھاپی جاوے گی تو بالکل غلط اور خراب اور مسخ ہو جاوے گی اور اس فقیر کی محنت اور جانفشانی تمام برباد ہو جاوے گی بلحاظ اس کے اور قدر دانوں کے اصرار سے پھر کمر ہمت باندھی اور اچھے صاف کاغذ پہ فارسی حروف سے خوب تصحیح کر کے چھپوا دیا۔" تنبیہ الغافلین ص ۲ و ۳ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سید شہید رح ہی کو حاصل ہے۔

تقویت الایمان کو اپنی لسانی خصوصیات کی بنا پر اردو زبان کی ابتدائی تالیفات

(گذشتہ سے پیوستہ) ۱۸۰۲ء میں یہی ترجمہ تنبیہ الغافلین بمبئی سے بیتھوسی تحفۃ الواعظین کے نام سے بھی شائع ہو چکا ہے پھر بعض اہل علم (سید محمد، محمد طیب) امین الدین اور محمد تقی کے اضافہ اور نظر ثانی کے بعد ۱۸۶۰ء میں پھر ۱۸۸۳ء میں کانپور سے بھی شائع ہوا ہے۔

حیرت ہے کہ بینی نرائن جہان لاہوری جس سے چند کتابیں چہار گلشن، دیوان جہاں اور ترجمہ تنبیہ الغافلین یادگار ہیں، جن میں سے ترجمہ تنبیہ الغافلین کی زبان پر خلافِ محاورہ اور غلط ہونے کا اعتراض ہے۔ محض فورٹ ولیم کالج سے وابستگی کی بنا پر اردو کے محسنین میں شمار کیا گیا ہے اور ارباب نثر اردو میں اس کے کارناموں کو سراہا گیا۔ لیکن مولوی سید عبداللہ جیسے بامحاورہ اور سہل نگار کو جس کی خدمات اردو کے سلسلہ میں ناقابلِ فراموش ہیں کسی نے کچھ نہیں لکھا۔ اردو کے سلسلہ میں ان کی خدمات اور قابلِ قدر کارنامے لائق تحسین ہیں۔ جن کا اجمالی تذکرہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

(۱) موصوف نے حجرہ متعلقہ ہوگلی کلکتہ میں زرِ کثیر خرچ کر کے سب سے پہلے اپنے پیر و مرشد سید احمد بریلوی کے نام پر مطبع احمدی نامی قائم کیا اور بڑی محنت اور نہایت اہتمام کے ساتھ سب سے پہلے شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کا ترجمہ قرآن مجید اور تفسیر موضح قرآن ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء جس کے متعلق سرسید نے آثار الصنادید میں لکھا ہے کہ عربی زبان کا اردو میں ترجمہ سب سے پہلے مولوی عبدالقادر صاحب اور مولوی رفیع الدین صاحب نے کیا۔ مولوی عبدالقادر صاحب اردو ترجمہ کلام اللہ کا اردو لغت کے لئے ایک بڑی سند ہے۔ ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء میں دو جلدوں میں چھپوایا ہے۔

۲۔ قرآن مجید کی چند سورتوں کی مختصر و جامع تفسیر جن میں سورۂ یٰسین، نوح، نساء، تبارک الذی، الرحمٰن، مزمل، جن اور صف شامل ہیں سہل زبان میں لکھی جو "تفسیر مقبول" کے نام سے پہلی مرتبہ ۱۲۵۰ھ میں شائع ہوئی اور بہت مقبول ہوئی جسے نظر ثانی کے بعد دوبارہ ۱۲۵۶ھ میں اپنے مطبع سے شائع کی یہ متوسط تقطیع کے ۱۴۵ صفحات پر مشتمل ہے اور راقم السطور کے کتب خانہ غریب خانہ میں یہ نسخہ موجود ہے۔

۳۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی چہل حدیث کا سب سے پہلے اردو ترجمہ کیا اور اپنے ہی مطبع سے "تفسیر مقبول" کے ساتھ شائع کیا۔

۴۔ شاہ محمد اسمٰعیل شہید کے خطبہ جمعہ کا بھی اردو میں سب سے پہلے ترجمہ کیا اور اسی تفسیر مقبول کے ساتھ اس کو بھی شائع کیا۔

۵۔ سورہ صف کی تفسیر جذبۂ جہاد کو برقرار رکھنے کے لئے اردو میں لکھی جو "تفسیر مقبول" کے ساتھ جداگانہ صفحات میں شائع ہوئی۔ ۱۲۵۶ھ

میں جو مقام حاصل ہے اس کا ذکر اردو ادب کے سب ہی تاریخ نگاروں نے کیا ہے[1] لیکن حیرت ہے کہ خود سید شہید کی اس اردو تصنیف "حقیقۃ الصلوٰۃ" پر کسی کی نگاہ نہیں گئی۔ بعض اردو کے اداشناسوں کے مطالعہ میں یہ کتاب آئی بھی تو اس کا ذکر موقعہ پر ان سے رہ گیا۔

عجیب اتفاق ہے اردو زبان میں سید شہیدؒ کے پہلے تذکرہ نگار سر سید احمد خان اس غلطی کا شکار ہوئے۔ انہوں نے آثار الصنادید میں سید شہیدؒ کا تذکرہ بڑی عقیدت و وارفتگی سے کیا ہے باایں ہمہ ان کی تصانیف کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ہے سر سیدؒ کے مطالعۂ حقیقۃ الصلوٰۃ کا ثبوت ان کے مکاتیب کے مطالعہ سے ہوتا ہے وہ ایک مکتوب میں جو امام شاہجہانی مسجد دہلی، سید محمد بخاری المتوفی ۱۸۹۹ء کے نام ہے رقمطراز ہیں :-

برادر صاحب شفیق و عنایت فرمائے من !

"آپ کا عنایت نامہ پہنچا جس سے نہایت خوشی ہوئی۔ مطبع مجتبائی دہلی میں قدوری چھاپہ ہوئی تھی اگر وہاں دستیاب ہو تو نسخہ اس چھاپہ کے خرید کر میرے پاس روانہ فرمائیں اور قیمت سے اطلاع دیں۔"

دو رسالے مسمّٰی راہِ نجات و حقیقۃ الصلوٰۃ مدت ہوئی کہ میں نے دیکھے تھے اور میں خیال کرتا ہوں دونوں رسالے اردو زبان میں مولوی رفیع الدین

---

[1] آبحیات از محمد حسین آزاد، طبع لاہور ۱۹۵۰ء ص ۲۶ و گلِ رعنا از مولانا عبدالحی لکھنوی، مطبع معارف اعظم گڈھ، ۱۳۵۳ھ ص ۳۸ و داستانِ تاریخ اردو از حامد حسن قادری طبع آگرہ ۱۹۴۱ء ص ۱۶۵ و سیر المصنفین از محمد یحییٰ تنہا محبوب المطابع دہلی ۱۹۲۴ء ج ۱۔ ص ۱۱۰

یا مولوی عبدالقادر صاحب کی تصنیف تھے[۱]۔ بالفعل جو رسالے از نام راہِ نجات

---

[۱] سرسید نے حقیقۃ الصلوٰۃ کا انتساب شاگرد کے بجائے استاد، شاہ عبدالقادر دہلوی المتوفی ۱۲۳۰ھ یا ان کے برادر بزرگ شاہ رفیع الدین المتوفی ۱۲۳۳ھ کی طرف کیا ہے جو بداہۃً غلط ہے۔ راہِ نجات البتہ شاہ رفیع الدین کی تصنیف ہے۔ محمد مصطفیٰ خان جو شاہ رفیع الدین دہلوی کے معاصر اور خانوادۂ ولی اللّٰہی کے عقیدتمندوں میں تھے۔ انہوں نے راہِ نجات خود اپنے مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴م میں شاہ رفیع الدین دہلوی کے انتقال کے ۲۷ برس بعد شائع کی تھی، اس کے خاتمۃ الطبع میں اس کو بصراحت ان کی تصنیف قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں

شکر خدا کا کہ چھپا مختصر بزرگ صفات یعنی رسالہ "راہِ نجات" "تصنیفِ حضرت مولانا رفیع الدین دہلوی مبرور کا مطبع مصطفائی میں کہ بیت السلطنت لکھنؤ محلہ محمود نگر میں متصل اکبری دروازے کے واقع ہے مہینے صفر ۱۲۶۰ ہجری میں محمد مصطفیٰ خاں خلف حاجی محمد روشن خان کے اہتمام سے اختتام کو پہنچا۔"

یہ نسخہ متوسط تقطیع ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

غالباً اسی وجہ سے ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام طبع لیڈن قدیم میں شاہ رفیع الدین پر جو آرٹیکل لکھا ہے اس میں راہِ نجات کو شاہ رفیع الدین دہلوی کی تصنیف تسلیم کیا۔

شاہ عبدالقادر دہلوی کی کوئی کتاب حقیقۃ الصلوٰۃ کے نام سے نہیں ملتی اردو میں ترجمۃ القرآن اور تفسیر موضح قرآن کے علاوہ اگر کوئی رسالہ ان سے اردو میں یادگار ہے تو وہ تقریر الصلوٰۃ کے نام سے ہے حقیقۃ الصلوٰۃ کے نام سے نہیں، حکیم سید عبدالحی لکھنوی معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف (طبع دمشق ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸م) ص ۱۱۸ میں لکھتے ہیں۔

تقریر الصلوٰۃ بالاردو للشیخ عبدالقادر ابن ولی اللہ الدہلوی — تقریر الصلوٰۃ اردو میں شیخ عبدالقادر ابن شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصنیف ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

وحقیقۃ الصلوٰۃ متعدد چھاپہ خانوں میں چھپے ہیں[1]۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ دونوں رسالے آیا درحقیقت مولوی رفیع الدین صاحب یا مولوی عبدالقادر صاحب کی تصنیف سے تھے یا مجھے غلط خیالی ہے اور اگر تھے تو وہی ہیں جو چھاپہ ہوئے ہیں یا اور کوئی ہیں[2]

خاکسار سید احمد

۳۱ر اکتوبر ۱۸۸۷ء

(گذشتہ سے پیوستہ) یہ رسالہ غالباً اب تک چھپا نہیں ہے مولانا لکھنوی رحؒ نے اس کا مخطوطہ کہیں دیکھا ہوگا۔

آثار الصنادید میں سرسیدؒ نے ان رسالوں کی بھی نشاندہی نہیں کی ہے بلکہ اکثر اہل علم کی تصانیف کا تذکرہ ان سے رہ گیا ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ کی تحفہ اثنا عشریہ کے سوا کسی کتاب کا تذکرہ نہیں کیا ہے اور شاہ اسحٰق مولانا رشید الدین دہلوی اور شاہ عبدالغنی مجددی کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا ہے اور یہ اس کتاب کا بڑا نقص ہے۔

قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی مرحوم نے آثار الصنادید کا چوتھا باب "تذکرہ اہل دہلی" کے نام سے شائع کیا ہے مرحوم نے بھی حواشی میں اس امر کا اہتمام اور التزام نہیں کیا ہے۔

[1] سرسید کے مکتوب بالا سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۸۷ء سے بیشتر حقیقۃ الصلوٰۃ اور رسالہ راہ نجات متعدد مطبعوں میں چھپ کر عام ہو چکے تھے۔

[2] ملاحظہ ہو مکتوباتِ سرسید، مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۵۹ء ص ۳۲۵ و ۳۲۶ ہمیں حیرت ہے کہ شیخ محمد اسماعیل کو سرسید کی بعض معمولی معمولی علمی اور تاریخی غلطیوں پر تنبیہ نہیں ہوئی۔ چنانچہ یہاں حاشیہ کی ضرورت تھی مگر کوئی حاشیہ اور فٹ نوٹ نہیں دیا، لطف یہ ہے کہ جہاں حاشیہ کی ضرورت نہیں ہوتی وہاں حاشیہ بڑھانے سے نہیں چوکتے ہیں، جہاں ضروری ہوتا ہے وہاں حاشیہ نہیں لکھتے۔ مقالاتِ سرسید میں ایسا ہی کیا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق جن خیالات کا اظہار سرسید احمد خان نے اپنے مقالات میں کیا ہے وہاں کچھ نہیں لکھا ہے لیکن سرسید جہاں مولویوں پر برسے ہیں وہاں حاشیہ میں خوب خامہ فرسائی کی ہے۔ مرزا صاحب کی حمایت کا یہ بالکل نرالا انداز ہے، سرسید اگر زندہ ہوتے تو کہتے،

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم جنہیں اردو کی قدیم تصانیف سے خاص شغف تھا انہوں نے "پرانی اردو میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر" کے عنوان سے پہلے مجموعہ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ جلد سوم ۱۹۳۵ء میں پھر سہ ماہی رسالہ اردو جنوری ۱۹۳۷ء) میں ایک وقیع مضمون کئی قسطوں میں لکھا تھا۔ جس میں زمانہ مابعد کی متعدد چھوٹی بڑی تفسیروں کا ذکر کیا۔ لیکن حقیقۃ الصلوٰۃ جو مختصر سادہ اور انوکھی تفسیر سورۂ فاتحہ طبع ہوئی تھی اس کا علم ان کو نہ ہوسکا ورنہ وہ اس کے خصائص پر بھی کچھ روشنی ڈالتے۔

اس موضوع پر کم و بیش تیس برس کے بعد نصیر الدین ہاشمی نے ایک مضمون بطور تکملہ جس کا عنوان "کتب خانہ آصفیہ (حیدرآباد دکن) میں اردو قرآن شریف کے ترجمہ اور تفسیریں" ہے سہ ماہی رسالہ اردو جولائی ۱۹۵۴ء میں سپردِ قلم کیا تھا اس میں بعض ان قدیم ترجموں اور تفسیروں کا جو بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم سے رہ گئی تھیں تعارف کرایا ہے اس میں موصوف نے سید شہیدؒ کی تفسیر سورۂ فاتحہ کا ذکر کیا ہے لیکن سید احمد شہیدؒ جیسی تاریخی شخصیت اور شہرۂ آفاق ہستی سے ان کی ناواقفیت بھی حیرت انگیز ہے۔

وہ فرماتے ہیں:۔ تفسیر سورۂ فاتحہ نمبر (۸۷۲) سائز (۹ × ۶) صفحہ (۵۰) سطر (۱۱) مصنف سید احمد، تاریخ تصنیف قبل ۱۲۳۷ھ۔

مصنف کے متعلق کوئی معلومات ہمدست نہیں ہوئے (حیرت ہے کہ مدیر رسالہ اردو نے بھی اس پر کچھ نہیں لکھا) سرسید احمد خان نہیں بلکہ کوئی اور سید احمد ہیں جو صوفی تھے اور لوگوں کو مرید کرتے تھے، یہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے اس میں صراحت کے ساتھ اس سورہ کے فوائد وغیرہ لکھے گئے ہیں۔ کتب خانہ کے نسخہ میں جو آخری عبارت درج ہے اس سے مصنف وغیرہ کی وضاحت ہوتی ہے، آغاز

اورخاتمہ کی عبارت حسب ذیل ہے :

"الٰہی شکر تیرے احسان کا کہ تو نے ہمارے دل کو روشن اور زبان کو گویا کیا اور ایسے نبی مقبول کو خلق اللہ کی ہدایت کے واسطے بھیجا کہ جس کی ادنیٰ شفاعت سے دونوں جہان کی نعمت پاویں اور اس کی رہنمائی سے عرفان کی لذت اٹھاویں۔"

خاتمہ[1]

الحمد للہ کہ تفسیر الحمد للہ کی ہندی زبان میں جو حضرت رئیس المؤمنین امام العارفین سید المرسلین قدوۃ السالکین پیر و مرشد حضرت سید احمد صاحب نے کی، نفع پہنچائے ہم کو اور سب مسلمان بھائیوں کو ان کی بقا سے اور زیادہ کرے؟ فیض اور ارشادات[1] کا، آپ اپنی زبانِ فیض ترجمان فرما کے جامع علوم ظاہری و باطنی جناب مولوی عبدالحیؒ صاحب تحریر کروائے ......

جمادی الآخر کی بائیسویں تاریخ ۱۲۳۷ھ میں ..."

سید شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح نگاروں نے اس پر کچھ نہیں لکھا چنانچہ اس کا ذکر نہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے سیرتِ "سید احمد شہید" میں کیا اور نہ مولانا غلام رسول مہر نے "سید احمد شہیدؒ" میں اس پر کچھ روشنی ڈالی۔ مولانا مہر نے اپنی اس کتاب میں تصانیف کے زیر عنوان جو کچھ سپردِ قلم کیا ہے وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

---

[1] رسالہ اردو میں عبارت اسی طرح طبع ہوئی ہے، رسالہ حقیقۃ الصلوٰۃ میں یہ عبارت جس طرح چھپی ہے وہ آگے آتی ہے (چشتی)

تصانیف سید صاحب کی بعض تصانیف بھی ہیں مثلاً صراطِ مستقیم[1] اس کی عبارتیں اگرچہ مولانا شاہ اسمٰعیل اور مولانا عبدالحیٔ کی ہیں لیکن مطالب تمام تر سید صاحب کے ہیں۔ ان کے علاوہ تین رسالوں کا مجھے علم ہو سکا۔

---

[1] صراطِ مستقیم پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے "سیرت سید احمد شہید" میں اور مولانا مہر نے "جماعتِ مجاہدین" میں بہت کچھ لکھا ہے اور شیخ محمد اکرام نے موجِ کوثر میں بھی اس پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے لیکن ان اہل قلم نے اپنی تالیفات میں کہیں اس امر سے بحث نہیں کی ہے کہ یہ کس دور کی تالیف ہے اور کب زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی تھی۔

ہم نے ایک زمانہ میں "شاہ محمد اسمٰعیل شہید اور ان کے علمی کمالات" کے عنوان سے کچھ لکھا تھا پھر عدیم الفرصتی کی وجہ سے اس کی خاطر خواہ تکمیل نہ ہو سکی وہ مسودہ کاغذات کے بنڈلوں میں پڑا ہوا ہے دیکھئے کب نوبت آتی ہے، اس میں ہم نے اس امر سے بحث کی ہے جو مختصراً ہدیۂ ناظرین ہے۔

صراطِ مستقیم ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۸م کی تالیف ہے جب یہ سید شہید ۳۲ سال کے تھے، اس امر کی صراحت اس کتاب کے فصل چہارم کے افادۂ پنجم میں ملتی ہے۔ چنانچہ جہاد کے بیان میں جو زمانہ جہاد کے عین مناسب مذکور ہے۔

بباید دانست کہ جہاد امریست کثیر الفوائد عمیم المنافع کہ منفعتِ آن بوجوہِ متعددہ بر جمہورِ انام می رسد بمشابہ باران کہ منفعتش نبات و حیوان وانسان را احاطہ کردہ ومنافعِ این امرِ عظیم دو قسم است منفعتے عامہ کہ مومنین ومطیعین وکفار متمردین

جاننا چاہئے کہ جہاد بے انتہا فوائد اور منافع والا فعل ہے جس کی منفعت کئی طرح سے ہر خاص عام کو پہنچتی ہے اس کا فائدہ بارانِ رحمت کی طرح نبات وحیوان اور انسان کو احاطہ کئے ہوئے ہے اس امر عظیم کے فوائد کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ عام فائدہ ہے کہ جس میں فرمانبردار مومن سرکش کافر

۱- تنبیہ الغافلین۔ یہ فارسی میں لکھا گیا تھا۔ میرے علم کے مطابق

و فساق مومنین بلکہ جن وانس وحیوان
و نبات دران اشتراک می دارند ومنافعِ
مخصوصہ بجماعاتِ خاصہ یعنی بعضے اشخاص را
منفعتے حاصل می شود وبعضے دیگر را منفعتے
دیگر۔ اما منفعتے عامہ پس بیانش آنکہ
چنانکہ بہ تجربۂ صحیحہ ثابت شدہ کہ بسبب
عدالتِ حکّام و دیانت اہلِ معاملات و
سخاوجود اربابِ اموال و نیک نیتی جمہور انام
برکاتِ سماویہ مثلِ نزولِ باران بروقت و
کثرتِ نبات و نفاقِ مکاسب و معاملات
و دفعِ بلایا و آفات و نموِ اموال و ظہور اربابِ
ہنر و کمال بیش از بیش متحقق میگردد
ہمچنین مثلِ آن بلکہ صد چند از ان
بسبب شوکتِ دینِ حق و عروجِ سلاطینِ
متدینین و ظہورِ حکومتِ ایشان در
اقطار و اکنافِ زمین و قوتِ عساکرِ ملتِ
حقہ و انتشارِ احکام شرع در قری و امصار
بہ ظہور مے رسد چنانچہ حالِ ہندوستان را
باحالِ روم و توران در نزولِ برکاتِ
سماویہ باید سنجید۔

بدکار اور منافق بلکہ جن وانس، حیوان اور نبات
سب اس میں شریک ہیں اور منافعِ مخصوصہ جو مخصوص
جماعتوں کو پہنچتے ہیں یعنی بعض لوگوں کو ایک خاص
طرح کا فائدہ پہنچتا ہے اور دوسرے لوگوں کو دوسری
طرح کا، لیکن اس کی منفعتِ عامہ کا بیان جیسا
کہ صحیح تجربہ سے ثابت ہوا ہے، یہ ہے کہ حکام
کی عدالت، اہلِ معاملت کی دیانت، مالداروں
کی بخشش وسخاوت اور عام لوگوں کی نیک نیتی
کے باعث برکاتِ آسمانی جیسے وقت پر بارش
نبات کی کثرت، کاروبار کی برکت، وباؤں اور
آفتوں کا ٹلنا، مال ودولت کا بڑھنا، اہلِ ہنر
اور اربابِ کمال کا زیادہ سے زیادہ ظاہر ہونا ہے
ایک روشن حقیقت اور اسی طرح دین حق کی
شوکت دیندار بادشاہوں کے عروج اور اطرافِ
عالم میں ان کی حکومت کے ظہور اور مذہب
حق کے لشکروں کی قوت اور دیہات اور شہروں
میں احکام شرع کے پھیلنے کی وجہ سے روئے زمین پر
آسمانی برکتیں سوگنا زیادہ ظاہر ہوتی ہیں۔ چنانچہ
برکاتِ سماویہ کے نازل ہونے میں ہندوستان کی حالت
کا روم اور توران کی حالت کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہئے

ایک مرتبہ چھپا۔[۱] اس کے ساتھ مولانا ولایت علی کا رسالہ عمل بالحدیث چھپا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ

بلکہ حالِ ہندوستان را درین حرز و زمان کہ سنہ یکہزار و دو صد و سی و سوم است کہ اکثرش درین ایام دار الحرب گردیدہ بحال ہمین ولایت کہ پیش ازین دو صد یا سہ صد سال بودہ در نزولِ برکاتِ سماویہ و ظہور اولیائے عظام و علمائے کرام قیاس باید کرد۔	بلکہ اس زمانہ ۱۲۳۳ھ میں ہندوستان کی حالت یہ ہے کہ اس کا اکثر حصہ دار الحرب بن چکا ہے ذرا اس حالت سے جو اس ملک کی اس سے دو تین سو برس پہلے تھی آسمانی برکتوں کے نازل ہونے اور اولیائے عظام اور علمائے کرام کے ظاہر ہونے سے مقابلہ کرنی چاہیئے۔ حقیقت خود بخود ظاہر ہو جائے گی۔

صراط مستقیم، مطبع ضیائی میرٹھ، ۱۲۸۵ھ۔ ص ۱۰۵ و ۱۰۶

یہ کتاب سید شہید، شاہ شہید، مولانا عبدالحی بڈھانوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی حیات ہی میں سال تصنیف کے پانچ برس بعد ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۲ء میں پہلی مرتبہ شیخ ہدایت اللہ کے مطبع سے کلکتہ میں شائع ہوئی تھی۔ یہ متوسط تقطیع کے ۲۰۶ صفحات پر مشتمل ہے اس کی تصحیح نہایت جید علماء نے کی تھی۔ اس سے زیادہ صحیح نسخہ میرے مطالعہ سے نہیں گزرا۔ خاتمۃ الکتاب پر تصحیح کرنے والوں کے نام بھی مذکور ہیں۔

طبع کتاب مستطاب صراط مستقیم یازدہم محرم ۱۲۳۸ سنہ یک ہزار و دو صد و سی ہشت ہجری مقدس بتصحیح بندہ عبدالرحیم صفی پوری و محمد علی رام پوری در دار الامارت کلکتہ مطبع شیخ ہدایت اللہ صورت اختتام پذیرفت۔

اس نسخہ کے بعد جو نسخے شائع ہوئے ان میں مطبع ضیائی میرٹھ ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء کا نسخہ نہایت صحیح ہے ان نسخوں پر کتاب کا نام صحیح نام صراط مستقیم چھپا ہے

مطبوعہ کلکتہ ۱۲۳۸ھ والے نسخہ میں کتاب کا نام صراط المستقیم صحیح طبع نہیں ہوا اس کے بعد جو نسخے بھی راقم السطور کی نظر سے گزرے ہیں ان میں صراط المستقیم ہی نام دیکھا ہے۔

۱؎ تنبیہ الغافلین پر بحث اوپر گزر چکی ہے۔ یہ سید شہیدؒ کی تصنیف نہیں ہے۔

ایک مرتبہ پہلے چھپا تھا، دوسری مرتبہ حال ہی میں چھپا ہے

۲- رسالہ در نماز و عبادات:- یہ میرے علم کے مطابق کبھی نہیں چھپا۔ میں نے اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ ٹونک کے ایک مجموعہ میں دیکھا تھا۔

۳- رسالہ در نکاحِ بیوگان[۱]:- یہ غالباً اس زمانہ میں لکھا گیا تھا جب

---

[۱] فارسی میں ہمیں اس موضوع پر دو رسالوں کا علم ہے جن میں سے ایک مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی کا اور دوسرا اُن کے بھتیجے شاہ محمد اسمٰعیل شہید کا فارسی میں ہے جن کا ترجمہ اردو نواب محمد علی خان بہادر نے تحفۃ المجیبین فی اجراء سنۃ سید المرسلین کے نام سے کیا تھا جو پہلے مطبع نظامی کانپور سے اور پھر مطبع محمدی، محمد آباد عرف ٹونک سے ۱۲۹۳ھ میں متوسط تقطیع کے اسّی صفحات پر شائع ہوا تھا۔ نواب محمد علی خان کا بیان ہے :-

مسلمان بھائیوں پر جو دیندار اور پرہیزگار ہیں، ظاہر و باہر ہو کہ اس زمانہ میں جو اکثر لوگوں نے طریقہ شرع متین اور سنت سید خیر المرسلین کو چھوڑ کر بدعت اور ضلالت کی راہ اختیار کی ہے، خصوصاً سنت بیوہ کے نکاح ثانی کی بالکل متروک ہو گئی ہے بلکہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ اس کے کرنے کو اپنی جہالت سے کمینہ پن اور عیب جانتے ہیں اور اس کے نہ کرنے کو اپنی عزت اور شرافت پہچانتے ہیں۔ اگر زنا ہو جاتا ہے تو اس کو عیب نہیں سمجھتے ہیں اور بعضے بسبب خفیف جاننے سنت کے کافر ہوتے ہیں اور دین ایمان اپنا کھوتے ہیں۔

اس سبب سے اس خاکسار بے مقدار، امیدوار رحمتِ کردگار نے واسطے خیر خواہی مؤمنین اور مؤمنات کے شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی کو اور رسالہ جناب محمد اسمٰعیل شہید نبیل کو زبان ہندی میں ترجمہ کیا اور رسالہ عروس المؤمنین مولوی محمد قطب الدین خان صاحب محدث دہلوی کا اسی مضمون میں پایا اس کو بھی اس میں ملایا اور نام اس رسالہ کا تحفۃ المجیبین فی اجراء سنۃ سید المرسلین رکھا اور جس تفسیر یا کتاب سے اور کوئی فائدہ لکھا ہے تو اول اس کے یا آخر نام بھی لکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سعی کو مشکور فرماوے اور اس سے سب مسلمانوں کو نفع پہنچاوے آمین یا ربّ العالمین۔ (تحفۃ المجیبین ص ۲ و ۳۔ یہ رسالہ راقم السطور کے کتب خانے میں موجود ہے) باقی اگلے صفحہ پر

سید صاحب رح نے نکاحِ بیوگان کی سنت کے احیاء کی غرض سے اپنی بیوہ بھاوج سے نکاح کیا تھا۔ یہ بھی فارسی میں ہے اور اب تک نہیں چھپا[1]۔

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اردو تصانیف کا باب اگرچہ بہت زیادہ وسیع نہیں، دو ہی رسالے ان سے یادگار ہیں۔ ایک حقیقۃ الصلوٰۃ اور دوسرے تفسیر سورۂ فاتحہ۔ یہ دونوں رسالے سید احمد شہیدؒ کی زندگی میں ایک ساتھ زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے تھے جیسا کہ رسالہ مذکورہ خاتمۃ الطبع کی مندرجہ ذیل عبارت سے ثابت ہے:۔

"الحمد للہ کہ تفسیر الحمد للہ کہ ہندی زبان میں جو حضرت رئیس المؤمنین امام العارفین سید المسلمین، قدوۃ السالکین پیر و مرشد حضرت سید احمد صاحب نے نفع پہنچانے ہم کو اور سب مسلمانوں کو ان کی بقا سے اور زائد کرے فیض اور ارشاد ان کا، آپ اپنی زبانِ فیض وہدایت ترجمان سے فرما کے جامع علوم ظاہری و باطنی جناب مولانا عبدالحی صاحب دام فیضہ سے تحریر کروائی اور حقیقتِ صلوٰۃ کی جو بیان نمازِ پنجگانہ ہے اور کئی فائدوں کے ساتھ جسے ایک فاضلِ کامل نے حضرت پیر و مرشد کے مریدوں میں سے حضرت کی زبان اقدس سے سن کے ہندی زبان میں لکھا ہے۔ اہتمام عامی پیر خان اور وارث علی کے جناب مولوی محمد علی صاحب کی تصحیح سے مولوی بدر علی صاحب کے چھاپے خانے میں خاص و عام کے فائدے کے لئے چھاپا۔ اگر عالی ہمت کسی مقام پر عبارت محاورے کے مخالف پاویں تو زبان طعنے کی دراز نہ کریں، کیونکہ مقصود چھاپنے سے محض خیر خواہی جماعت مسلمین کی اور بہتری خواص و عوام مؤمنین کی ہے نہ آرائش الفاظ کی، لہٰذا جو قلمی مولوی صاحب ممدوح کا تھا اگرچہ بعض مقام پر خلاف محاورہ ہووے بعینہ جمادی الآخر کی بائیسویں تاریخ ۱۲۳۸ھ میں علیٰ ہاجرہا الصلوٰۃ والسلام طبع ہوا[2]۔

---

[1] کہیں ایسا تو نہیں کہ شاہ شہیدؒ کے اسی رسالہ نکاحِ بیوگان کو کسی نے سید شہیدؒ سے منسوب کر دیا۔ یا مولانا عبدالحی بڈھانویؒ کے استفتاء کو جو اسی موضوع پر ہے سید شہیدؒ کا رسالہ کہہ دیا گیا ہے اب اس رسالہ کا انتساب بھی سید شہیدؒ سے محتاجِ تحقیق ہے۔ ۱۲

[2] ملاحظہ ہو سید احمد شہیدؒ۔ طبع لاہور ج ۲ ص ۴۷۹

والسلام طبع ہوا۔[1]

پھر اٹھارہ انیس برس کے بعد یہ دونوں رسالے محمد مصطفیٰ خان بن محمد روشن خان حنفی المتوفی ۱۲۶۹ھ نے مطبع مصطفائی لکھنو سے ۱۲۵۵ھ میں چھاپ کر شائع کئے۔ مطبع مصطفائی کا نسخہ متوسط تقطیع کے ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے جس کے ابتدائی ۲۵ صفحات پر حقیقۃ الصلوٰۃ اور ۳۹ صفحات تک سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے۔ خاتمہ کتاب میں جو عبارت ہے اس میں بھی طبع کلکتہ کی نقل کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہ عبارت ھدیۂ ناظرین ہے:

"الحمد للہ کہ چند نکتہ، تفسیر سورۂ فاتحہ کی ہندی زبان میں جو حضرت رئیس المؤمنین، امام العارفین، قدوۃ السالکین، سید احمد شہید قدس سرہ نے آپ اپنی زبان ہدایت ترجمان سے ارشاد فرما کے جامع علوم ظاہری و باطنی جناب مولانا عبدالحی مغفور سے تحریر کروائے تھے اور واسطے فیض عام رسانی کے یہ رسالہ کلکتہ میں سیسہ کے حرفوں سے ۱۲۳۷ھ میں چھاپہ گیا تھا۔ در ینولا اوسی رسالہ کی نقل مصطفیٰ خان لکھنوی ساکن محمود نگر نے بیچ مہینہ صفر ۱۲۵۵ھ کے مطبع مصطفائی میں چھاپے۔ حق تعالےٰ حقیقت نماز کے موافق اپنی رضا ہر بندہ مسلمان کو نصیب کرے۔"

---

[1] حقیقۃ الصلوٰۃ ص۲۵، اس سے معلوم ہوا کہ سید شہید کی تقریر مذکور کو قلم بند کرنے میں مولانا عبدالحی بڈھانوی نے کس درجہ اہتمام کیا کہ جو الفاظ اور جملے سید شہید کی زبان مبارک سے نکلے انہی کو قید تحریر میں لائے اور ان میں کسی قسم کا ادنیٰ سا تغیر و تبدل بھی روا نہیں رکھا۔ ناشر مولوی بدعلی نے اس خصوصی اہتمام کو بھی بتا دیا تا کہ لوگوں کو سید شہید کی طرف اس کی صحت میں شک و شبہ نہ رہے اور ضابطہ تحریر اور ناشر تقریر کی نسبت اصلاح کا گمان بھی نہ ہو۔

حقیقۃ الصلوٰۃ
کی
طباعت میں نیا اہتمام

اس کے بعد انہی مصطفےٰ خاں لکھنوی کے برادر خورد مولوی عبدالرحمن خان شاکر حنفی نے اپنے مطبع نظامی کانپور سے یہ دونوں رسالے خطِ نسخ جلی میں اعراب کے ساتھ چھاپے اور اس میں صحت کے ساتھ اعراب کا بھی اہتمام کیا تاکہ ہندوستان کے ہر صوبے کے لوگ اس کو آسانی سے صحیح صحیح پڑھ سکیں اور پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ اس دور میں اردو زبان کی غالباً یہ پہلی کتاب تھی جو خطِ نسخ میں اعراب کے ساتھ شائع کی گئی تھی۔ یہ اہتمام تو کسی اردو شاعر کے دیوان کے ساتھ بھی کبھی نہیں ہوا۔ اسی سے اس کی قبولیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ متوسط تقطیع کے ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

چوتھی مرتبہ حقیقۃ الصلوٰۃ اور تفسیر سورۃ فاتحہ مولوی ابو محمد جمیل کی حسبِ فرمائش پرکاش سٹیم پریس لاہور میں اب سے کوئی ۴۲ سال پہلے ۱۳۴۰ھ میں چھپی تھی جس کے ساتھ مثنوی "سلک نور" کو ابن عبدالغنی کی تصنیف قرار دیا ہے۔ عبدالغنی شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے والد کا نام ہے۔

مثنوی سلک نور ابن عبدالغنی یعنی شاہ اسمٰعیل شہید کی طبع زاد نظم ہے لیکن حقیقت الصلوٰۃ ان کی تصنیف نہیں بلکہ سید احمد شہیدؒ کی تالیف ہے۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

سے اس کا انتساب ناقل یا ناشر کی غلطی ہے۔ حقیقۃ الصلوٰۃ سید شہیدؒ اور شاہ شہید کی زندگی ہی میں سید احمد شہیدؒ کے نام سے شائع ہو چکی ہے لہذا اس کا انتساب سید احمد شہیدؒ سے قطعی طور پر درست اور قطعی شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

حقیقۃ الصلوٰۃ میں اضافہ والحاق

حقیقۃ الصلوٰۃ طبع چہارم میں اگرچہ لفظی تغیر تو کم ہوا ہے لیکن جملوں میں تقدم و تاخر بکثرت پایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں چند ابواب کا اضافہ بھی ہے جیسے اذان کا بیان، نماز جنازہ کا بیان، ساتوں کلموں کی تشریح، دعائے الاستغفار حقیقۃ الصلوٰۃ طبع اول میں جو خود حضرت سید احمد شہیدؒ کی زندگی میں شائع ہوئی تھی ان ابواب کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے لہذا یہ سب الحاقی ہیں۔

حقیقۃ الصلوٰۃ کی انوار الصلوٰۃ کے نام سے اشاعت

پھر پانچویں مرتبہ محمد ثناء اللہ خان نے ۱۳۶۹ھ میں اس "حقیقۃ الصلوٰۃ" اور "تفسیر سورۂ فاتحہ" کو لاہور سے شائع کیا، سرورق پر مصنف کی حیثیت سے سید احمد شہیدؒ کا نام بھی دیا گیا ہے، البتہ کتاب کو اس کے اصلی نام حقیقۃ الصلوٰۃ کی بجائے انوار الصلوٰۃ کے نام سے شائع کیا گیا حالانکہ وہ عبارت جس میں اس کو حقیقۃ الصلوٰۃ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، اس مطبوعہ نسخے کے آخر میں بھی موجود ہے مگر مقدمہ نگار محمد یٰسین صاحب الہ آبادی نے اس کو پھر بھی انوار الصلوٰۃ ہی سے موسوم کیا ہے۔ یہ طبع پنجم اگرچہ طبع چہارم کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ ایک ایسے مخطوطہ سے منقول ہے جو اصل مطبوعہ نسخے کی نقل ہے جیسا کہ مقدمہ نگار کے حسب ذیل الفاظ سے ظاہر ہے، وہ لکھتے ہیں:-

"حضرت جدی مولانا شاہ رحیم بخش گوپامئوی رحمۃ اللہ علیہ کی قلمی کتابوں

میں ایک تقریر دلپذیر قدوۃ العارفین، مجدد الملۃ والدین حضرت مولانا سید احمد بریلویؒ کی نظر سے گزری جو طریقۂ نماز اور ساتھ ہی سورۂ فاتحہ و قل ہو اللہ شریف کے (کی) تفسیر کے متعلق تھی جس کو قطبِ وقت حضرت مولانا شاہ عبدالحی صاحب دہلویؒ نے قلمبند فرمایا تھا۔[1]

منقولہ نسخہ میں ناقل سے نقل کے وقت سنہ طباعت رہ گیا تھا جس کو مقدمہ نگار نے محض تخمین اور اندازہ سے ۱۲۴۱ھ کر دیا ہے حالانکہ اس کا سن طباعت ۱۲۳۷ھ ہے جیسا ہم نے بیّنات کی جلد اول شمارہ نمبر ۵ میں بیان کیا ہے۔ یہ نسخہ چونکہ اصل مطبوعہ نسخہ کی نقل ہے اس لئے اس کے جملوں میں تو تقدم و تأخر نہیں ہوا لیکن معلوم نہیں کاتب یا ناشر کی بے احتیاطی سے بعض قدیم ساخت کے جملوں میں معمولی سا تغیر ہو گیا ہے مثلاً "جاتا چاہیئے" کو "جانا چاہیئے" کر دیا ہے اس سے زبان کسی حد تک اس دور کی تو ہو گئی لیکن اس نے زبان اردو کے ارتقائی تاریخ نگار کو جو مشکلات پیدا کر دیں وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔

اس مطبوعہ نسخے میں بعض جگہ بیاض بھی ہے جیسے ص۹ پر "مقرر" کے بعد بیاض ہے حالانکہ یہاں صرف "ہ" رہ گئی ہے۔ دراصل لفظ "مقررہ" ہے ایک آدھ جگہ عبارت مسخ ہو کر بالکل مطلب ہی خبط ہو گیا ہے جیسے ص۹ پہ ہے "مشقت میں ڈالنا نفس کا اس کی سنتوں کے اوقات ہیں، نماز اس کے واسطے جہاد ہے"۔ یہاں لفظ "سستیوں" کا ہے اور ایک جگہ ص۱۴ پر "بندہ کو خدمت پابوسی کی اس پر لازم ہے" اصل میں اس طرح ہے "بندہ کو خدمت پاپیچے کی اس پر لازم ہے"۔ تفسیر سورۂ فاتحہ

---

[1] ملاحظہ ہو مقدمہ کتاب مذکور ص۱ اس مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ نگار کو حقیقۃ الصلوۃ کے طبع اول، دوم، سوم، چہارم کا علم نہیں۔

کا جو قدیم نسخہ، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی کے کتب خانہ خاص میں محفوظ ہے وہ ابتدا سے ناقص ہے اس لئے "حقیقۃ الصلوٰۃ" اس میں پوری نہیں ہے تاہم جتنا حصہ اس میں موجود تھا وہ ہم نے اسی نسخہ سے نقل کیا ہے اور بقیہ حصہ مطبع مصطفائی لکھنؤ[۱] سے مکمل کیا ہے، تصحیح و مقابلہ میں کامل احتیاط کی ہے۔ زبان و بیان میں کسی قسم کا کوئی

۱؎ مطابع لکھنؤ کی تاریخ میں مطبع مصطفائی ابتدائی دور کے مطبعوں میں سے تھا یہ شیشہ آلات کے ایک دولتمند تاجر محمد مصطفےٰ خان بن محمد روشن خان حنفی المتوفی ۱۲۶۹ھ نے قائم کیا تھا۔ مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی لکھتے ہیں:

انہیں دنوں مصطفےٰ خان شیشہ آلات کے ایک دولتمند تاجر کچھ چھپانے کے لئے حاجی حرمین کے پاس لے گئے اور حاجی صاحب کی زبان سے کوئی ایسا سخت کلمہ نکل گیا کہ مصطفےٰ خان نے گھر آ کے خود اپنا مصطفائی مطبع جاری کر دیا جسے غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ موصوف اس دور کے مطابع کی مطبوعہ کتابوں کے متعلق رقمطراز ہیں:

میرے والد کے حقیقی چچا مولوی احمد صاحب کو سفر اور تجارت کا بڑا شوق تھا اور اس زمانے میں جب لوگ گھر سے باہر قدم نکالتے ڈرتے تھے، انہوں نے حاجی حرمین شریفین کے ایجنٹ کی حیثیت سے رتھوں اور بیل گاڑیوں پر سوار ہو کے اور ہزاروں کتابیں ساتھ لے کے لکھنؤ سے راولپنڈی تک سفر کیا تھا ان کا بیان تھا کہ کتابیں ان دنوں عنقا تھیں، یہاں کی مطبوعہ کتابوں کو دیکھ کے لوگوں کی آنکھیں کھل جاتی تھیں اور پروانہ وار گرتے تھے، لوگوں کے شوق کا یہ عالم تھا کہ ہم جس شہر یا گاؤں میں پہنچتے ہم سے پہلے ہماری خبر پہنچ چکی اور ہمارا داخلہ عجب شان و شوکت سے ہوتا اور ہم کسی بستی میں پہنچتے ادھر خلقت نے گھیر لیا بھیڑ لگ جاتی تھی اور ہم جس کتاب کو جس قیمت پر دیتے لوگ بے عذر لے کے آنکھوں سے لگاتے۔ شاہی کے آخر دور میں مصطفائی مطبع اپنی چھپائی کے لحاظ سے دنیا میں جواب نہ رکھتا تھا۔ (ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری

(باقی اگلے صفحے پر)

تغیر نہیں کیا ہے تاکہ زبان کے تاریخ نگار کو زبان کی تدریجی ترقی کے ادوار کو سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔

نمونہ شائع کردہ گیلانی ڈپو مزنگ لاہور ص۱۲۳) مولانا سید سلیمان ندویؒ نقوش سلیمانی معارف پریس اعظم گڈھ ۱۹۳۹ء ص۸۸ میں لکھتے ہیں۔

مطبع مصطفائی اپنی صحت و صفائی میں معیار کے بلند درجے پر تھا، علماء اور طلبہ اس کی چھپی ہوئی کتابوں کے قدردان تھے اور اب بھی اس کی چھپی کتابیں اہل شوق میں اشرفیوں کے مول خریدی جاتی ہیں۔ اس دور میں مطابع لکھنؤ کو صحت میں سند کا درجہ اس بناء پر حاصل ہو گیا تھا کہ مالک مطابع خود پڑھے لکھے ہوتے تھے اور کارکنان مطبع بھی سب عالم و فاضل انتخاب کئے جاتے تھے۔ چنانچہ خود محمد مصطفےٰ خان فارسی کے اچھے عالم تھے۔ صفوۃ المصادر جس کا ہمارے بچپن میں بڑا چرچا تھا اور فارسی نوآموزوں کو اس سے استغناء نہیں تھا، انہی کی تصنیف لطیف ہے جیسا کہ اس کے دیباچہ سے عیاں ہے وھو ہذا:

می گوید امیدوار مغفرت ایزدِ منان محمد مصطفےٰ خان خلف حاجی محمد روشن خان اذا قہما اللہ حلاوۃ الایمان کہ چوں خواندن کتب فارسیہ و حصول استعداد ترجمہ عبارات و خطوط نویسی موقوف بر دانستن معانی مصادر و قوتِ اشتقاق صیغہا بود لہذا چند مصادرِ مشہورہ مع معانی متعارفہ و صرف صغیر ضروری ہر یک بترتیب حروف تہجی بطرز مرغوب در جداول خوش اسلوب جمع نمودہ صفوۃ المصادر نام نہادم صرف کبیر یک مصدر لازم و دیگرے متعدی ہم بطریق نمونہ بیان کردم تا طفلان را بآسانی تمام بسوئے استخراجِ معانی و اشتقاق صیغہا رہبر شود و یادگارے بدست روزگار ازین خاکسار ماند۔

یہ رسالہ ۱۸۴۲ء سے قبل کی تصنیف ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب موصوف نے یہ کتاب لکھی تو بہت مقبول ہوئی اور دوسرے کسی مطبع والے نے بھی اس کو شائع کر دیا۔ محمد مصطفےٰ خان تاجر تھے تجارتی نقطہ نگاہ سے انہیں یہ گوارا نہ ہوا اور انہوں نے ۱۸۴۲ء میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہم نے حقیقۃ الصلوٰۃ کی صحت میں مطبع مصطفائی کے مطبوعہ نسخہ کو معیار بنایا، کیونکہ اس کی صحت مستند ہے، مطبع مصطفائی کا نسخہ مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن کراچی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ نسخہ کرم خوردہ ہے۔

اس کی رجسٹری کرائی۔ چنانچہ صفوۃ المصادر کا ایک نہایت نادر نسخہ جو اسی مطبع میں ۱۲۶۰ھ میں زیور طبع سے آراستہ ہوا تھا، راقم السطور کے کتب خانہ غریب خانہ میں محفوظ ہے اس کے آخری صفحہ پر یہ اعلان بعنوان اشتہار یہی چھپا ہے کہ

ایں کتاب بموجب قانون بستم ۱۸۴۷ء داخل بہی رجسٹری گورنمنٹ گردیدہ بدون اجازت عاجز کسے قصد طبع نفرماید۔ موصوف ۱۲۶۸ھ میں قرآن مجید طبع کرا رہے تھے کہ ۱۲۶۹ھ میں مکہ معظمہ میں ان کا وصال ہو گیا۔ ان کے بھائی محمد عبدالرحمٰن خاں کا بیان ہے

امیدوار رحمت یزداں محمد عبدالرحمٰن بن حاجی محمد روشن خاں مغفور برادران دینی کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ برادر معظم جناب محمد مصطفیٰ خان مبرور نے ۱۲۶۸ھ میں چھاپنا قرآن شریف مترجم کا شروع کیا تھا کہ توفیق ایزدی سے حج کا سفر مصمم ٹھہرایا ۱۲۶۹ھ میں مکہ معظمہ پہنچے اور راہی خلد بریں ہوئے جنۃ المعلیٰ میں انوار مزار ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پاس مدفون ہوا یہاں چھپنا قرآن موصوف کا ملتوی رہا۔ مدت کے بعد ان کے منجھلے صاحبزادے محمد عبدالواحد خاں صاحب کی تکمیل کی نیت ہوئی خاکسار نے ان کے کہنے سے تکمیل پر ہمت باندھی)

مولوی ہادی علی صاحب خوشنویس نے اس کے لکھنے میں بھولا نام یاقوت کا یاد دلایا۔ خواجہ محمد حسین صاحب نے ترجمہ بہت ٹھیک لکھا حسن خط کا رنگ دکھایا۔ معظمی جناب مولوی الٰہی بخش صاحب نے تصحیح میں مبالغہ بہت کیا ان کے بیٹے مولوی حافظ محمد احمد صاحب نے اغلاط کی درستی اور حسن صورت میں بڑی مشقت کی اس کے بعد مخدومی حافظ محب اللہ صاحب نے اس کو بنظر غور خوب دیکھا اور مولوی حافظ عبدالغفار اور حافظ محمد حسین اور حافظ آغا مرزا صاحب نے جیسا

چاہیئے خوب جانچ کر پڑتا ہکرمی مولوی حافظ عبد اللہ بلگرامی نے آٹھویں نظر میں بڑی کدکی۔ جب اتنی نظروں کے بعد چھپ چکا اور مہینے جمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ مطبع نظامی واقع کانپور میں اہتمام سے خاکسار کے تیار ہو تو معظمی سابق المدح اور ان کے صاحبزادے موصوف کی پھر نظر آمیز ہوئی۔

حاصل کہ اس تصحیح میں دو برس تک خوب محنت ہوتی اور کسی نے امکان بھر کمی نہیں کی اس کے بعد بھی اگر کسی کے کوئی غلط نظر پڑے، ان سب کو بشر جانے ان کی بھول سے درگذرے بلکہ ان کو اور مجھ کو بدعائے خیر یاد کرے کہ درگذر کرنے والوں کے واسطے بہشت بریں ہے اور شاہد اس پر والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین ہے" یہ قرآن مجید مترجم صحت میں تاریخی حیثیت رکھتا ہے، بین السطور ترجمہ شاہ عبد القادر اور حاشیہ پر موضح قرآن چڑھی ہوتی ہے اس کی صحت میں دو برس لگے ہیں۔ اس سے اس مطبع میں صحت کا جو اہتمام تھا وہ عیاں ہے تقطیع اگرچہ کلاں ہے لیکن کاغذ سفید اور ہلکا استعمال کیا گیا ہے، حجم بڑھ جانے کے باوجود وزن محسوس نہیں ہوتا پھر قلم ایسا مناسب انتخاب کیا گیا کہ ہر عمر کا آدمی اس کو بآسانی پڑھ سکتا ہے۔ میرے والد ماجد منشی محمد عبد الرحیم خاطر خطاط المتوفی ۱۳۰۳ھ اسی میں تلاوت فرماتے تھے۔ میرے بڑے بھائی مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی کے مطالعہ میں بھی یہ نسخہ رہا ہے۔ موصوف نے موضح قرآن سے بیش بہا فوائد کا استخراج کیا اس مطبع میں صحت کا جیسا کچھ اہتمام تھا اس کا اندازہ اس مطبع کے شائع شدہ ایک قرآن مجید کے خاتمۃ الطبع سے کیا جاسکتا ہے جو محمد مصطفیٰ خاں کے انتقال کے بعد شائع ہوا تھا اس میں چونکہ ان کی وفات کا بھی ذکر آچکا ہے اس لئے اس خاتمہ کی جس پر مولانا عبد الحلیم شرر اور سید سلیمان ندوی نے کچھ نہیں لکھا ہے اس کی افادیت اور بڑھ گئی ہے" یہ خاتمۃ الطبع چونکہ محمد مصطفیٰ خان کے چھوٹے بھائی مولوی محمد عبد الرحمٰن خاں شاکر مالک مطبع نظامی کانپور کے بیان پر مشتمل ہے ہر لحاظ سے معتبر اور مفید ہے۔

اس مطبع کی یہ خصوصیت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس مطبع کی ہر کتاب خط نستعلیق اور نسخ کی بہترین شاہکار ہوتی ہے اور ہر کتاب کی لوح سرورق اور کتاب کا آخری صفحہ اکثر اس دور کی گلکاری اور آرٹ کا نہایت عمدہ نمونہ ہے جسے دیکھ کر آج بھی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔

حقیقۃ الصلوٰۃ کی تاریخی حیثیت
سید شہیدؒ کی اردو تصانیف میں

حقیقۃ الصلوٰۃ سب سے پہلی اور آخری تصنیف ہی نہیں بلکہ اردو زبان میں اپنے طرز کی واحد کتاب ہے۔ حقیقۃ الصلوٰۃ کے موضوع پر یہ وہ تاریخی اور انقلاب آفریں تقریر ہے جو موصوف نے تیسری مرتبہ دہلی میں آمد کے موقعہ پر ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۸ء میں شیخ الاسلام[1] مولانا عبدالحی بن ہبۃ اللہ بڈھانوی المتوفی ۱۲۴۳ھ ۱۸۲۸ء اور حجۃ الاسلام[2] مولانا محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی شہید جیسے عبقریوں [illegible] کے سامنے انہیں دو رکعت نماز پڑھانے اور بیعت کرنے سے قبل کی تھی۔ چنانچہ صاحب مخزنِ احمدی مولوی سید محمد علی بن عبدالسبحان رائے بریلوی المتوفی ۱۲۶۷ھ ۱۸۵۰ء کا بیان ہے:

سید المجاہدین داخل شاہجہان آباد شدہ در ہمون مسجد کہ ذکرش بالا رفت مع چندر فقاء فرو کش شدند، اتفاقاً حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہ کہ دران مسجد مقیم بودند برائے ملاقاتِ ایشان با مولانا عبدالحی صاحب آمدند و در اثنائے گفتگو ذکر اسرار صلوٰۃ	سید مجاہدین (سید احمد شہید) شاہجہان آباد دہلی میں آئے تو اسی مسجد میں جس کا ذکر اوپر آیا ہے کچھ ساتھیوں کے ساتھ فروکش ہوئے، اتفاقاً مولانا شاہ عبدالقادر صاحب جو اسی مسجد میں قیام پذیر تھے ان سے ملنے کے لئے مولانا عبدالحی صاحبؒ کے ہمراہ تشریف لائے اثنائے گفتگو میں اسرار صلوٰۃ اور حضور قلب کا ذکر آیا

---

[1] و [2] یہ وہ القاب ہیں جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنے ایک مکتوب میں ان بزرگوں کے لئے استعمال کئے ہیں۔ اس موقعہ پر شاہ عبدالقادرؒ کا نام سہو قلم ہے جناب مولانا مہر لکھتے ہیں مخزن احمدی میں شاہ عبدالعزیز کی جگہ شاہ عبدالقادر کا نام مرقوم ہے جسے مصنف یا ناقل کی لغزشِ قلم سمجھنا چاہیے شاہ عبدالقادر ۲۲ رجادی الثانی ۱۲۲۸ھ (۲۲ جون ۱۸۱۳ء) کو فوت ہو چکے تھے۔ مولانا سید عبدالحی لکھنوی نے نزہتہ الخواطر میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے سیرتِ سید احمد شہیدؒ میں ان کا سالِ وفات ۱۲۳۳ھ لکھا ہے جب کہ سید صاحب امیر خان کے لشکر میں تھے، ملاحظہ ہو سید احمد شہیدؒ مکتبہ منزل لاہور ص ۱۱۷

وحضور قلب درمیان آمد، حضرت
مولانا عبدالقادر صاحب درجوابِ مولانا
عبدالحی ارشاد فرمودند کہ شرح
وبیانِ این مدعا در اکثر کتبِ تصوف
واخلاق مثل احیاء العلوم وغیرہ اسلاف
بکمال تشریح وبیان فرمودہ اند بمجرد
علم، حصولِ این مقصد ووصولِ این
مطلب، بدونِ توسّل مُرشدِ کامل خیلے
دشوار، بلکہ قریب محال اگر عاشق این
معشوقی بخدمت این جوان تازہ دارد
کہ موسوم بسید احمد است بشتاب
وکمرِ ہمت استوار بستہ خدمتش دریاب،
مولانا عبدالحی صاحب بعد از اصغاء
این کلام بطلبِ مقصد ومرامِ خود
بشتافتند وبکمال ضراعت وانکسار
درخواست این مطلب عظمیٰ، رب کبریٰ
کردند۔ امام المجاھدین کیفیت الصلوٰۃ
بہ نہجیکہ در رسالہ موسومہ بحقیقۃ الصلوٰۃ
کہ مصنفہ آنحضرت است، بیان فرمودہ
اختتام کلام براین مرام نمودند کہ
مولانا صاحب حصولِ این مقصد بگفت گو
راست نمی آید، ہمین نماز است کہ

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب
نے حضرت مولانا عبدالحی صاحب کے
جواب میں ارشاد فرمایا کہ تصوف واخلاق
کی کتابوں میں جیسے کہ احیاء العلوم وغیرہ
ہے قدما نے نہایت تفصیل سے کلام کیا ہے
محض علم سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا
اور بغیر مرشد کامل اس مقصد تک رسائی
بہت مشکل ہے بلکہ قریب قریب محال
ہے۔ اگر اس مقصد سے تم کو عشق ہے تو اس
نووارد جوان کی خدمت میں رہو جو سید احمدؒ
کے نام سے مشہور ہے اس امر کی تحصیل میں
تاخیر نہ کرو اور کمرِ ہمت کس لو، اور اس کی
کی صحبت میں رہو۔ مولانا عبدالحی صاحب نے بغور
ان باتوں کو سُنا اور اپنے مقصد کے حصول میں
عجلت سے کام لیا اور نہایت انکسار اور تضرع سے
اس مقصدِ عظیم کے حصول کی درخواست کی۔
امام مجاہدینؒ نے نماز کی کیفیت اس طریقہ پر بیان
فرمائی جو اس رسالہ میں جس کا نام حقیقۃ الصلوٰۃ
ہے، مذکور ہے۔ یہ رسالہ سید شہیدؒ کی تصنیف ہے
سید شہیدؒ نے بات کو اس پر ختم کردیا کہ
مولانا صاحب یہ مقصد گفت گو سے حاصل
نہیں ہوسکتا۔ یہی نماز ہے جو۔۔۔۔

در بدوِ نبوتِ سید الانبیاء صلی اللہ
علیہ وسلم حضرت جبرائیل امین بحکم
رب العالمین برای تعلیم آن امامت
فرمودہ اند، بیا برخیز و تحریمہ دو رکعت
باقتدایم بربند، مولانا علیہ الرحمۃ
حسب المامور بعمل آوردہ، تحریمہ
دو رکعت نماز باقتداء آن عالی جناب
بربستند درین مقام آن عالی جناب
بیان میفرمودند کہ آنچہ دران دو رکعت
یافتہ ام، ہیچگاہ در عمرِ خود نیافتہ ام،
مولانا موصوف بعد فراغِ نمازِ مذکور، از
خدمت شریف اجازت خواستہ
بخانۂ خود تشریف آوردہ فی الفور
مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کہ از اعاظم
تلمیذانِ مولانا ممدوح اند، طلب
داشتہ، حالِ آن دو رکعت نماز نہجے
کہ در رسالہ حقیقۃ الصلوٰۃ است،
من وعن بیان فرمودہ مولانا دستِ
مولانا عبدالحی گرفتہ بخدمتِ سید المجاہدین
بشتافتند، وہمچون مولانا مذکور حضرتِ مولانا
شہیدؒ ہمہ فراغ صلوٰۃ مطلبِ خود یافتند[1]

حضرت جبرئیل امین نے پروردگار عالم کے
حکم سے خود امام بن کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ
وسلم کو آغازِ نبوت میں پڑھائی تھی، آؤ اور کھڑے
ہو کر دو رکعت نماز کے تحریمہ کی نیت میری
اقتدا میں باندھو۔ مولانا علیہ الرحمۃ نے
حسب الارشاد موصوف کی اقتدا میں اسی جگہ میں
دو رکعت نماز کی نیت باندھ لی۔ موصوف
اکثر فرماتے تھے کہ جو کچھ میں نے ان دو رکعتوں
میں پایا ہے وہ کبھی عمر میں نہیں پایا۔
مولانا موصوف نے نماز سے فراغت کے بعد
سید شہیدؒ سے اجازت لی، اپنے گھر
تشریف لائے اور فوراً مولانا محمد اسمٰعیل
شہیدؒ کو جو مولانا ممدوح کے نامور تلامذہ
میں سے تھے بلا کر ان دو رکعتوں کا حال اسی
طریقہ پر جو رسالہ حقیقۃ الصلوٰۃ میں
مذکور ہے من وعن بیان فرمایا۔
مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ مولانا کا ہاتھ
پکڑ کر سید شہیدؒ کی خدمت میں آئے
اور مولانا موصوف کی طرح مولانا اسمٰعیل شہیدؒ
نے بھی بعد فراغتِ نماز اپنا مقصد پالیا۔

---

[1] ملاحظہ ہو مخزنِ احمدی، مطبع عام اکبر آباد ۱۲۹۹ھ ص ۳۴ و ۳۵، یہ کتاب (باقی اگلے صفحہ پر)

مذکورہ بالا اقتباسات میں رسالہ حقیقت الصلوٰۃ کا ذکر دو مرتبہ آیا۔ جس میں اس امر کی بھی تصریح ہے "کہ مصنفہ آں حضرت است" لیکن تعجب ہے کہ سید صاحبؒ کے نامور سوانح نگار مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے "سیرت سید احمد شہیدؒ" میں اور

یہ کتاب سید شہید کی سوانح عمری میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی "سیرت سید احمد شہیدؒ طبع سوم لکھنو ۱۳۹۸ھ ص ۸ میں رقمطراز ہیں۔ سید صاحبؒ کے بڑے بھانجے مولوی سید محمد علی کی تصنیف اور سید صاحب کے ابتدائی حالات میں (حج سے واپسی تک) سب سے بڑا ماخذ ہے مولوی صاحب مرحوم سید صاحب سے عمر میں بڑے اکثر واقعات کے چشم دید گواہ اور رفیق سفر تھے، نواب محمد علی کے عہد میں یہ کتاب لکھی گئی اب نایاب ہے۔ مولانا غلام رسول مہر کا بیان ہے۔

مخزن احمدی یہ کتاب سید صاحب کے بڑے بھانجے سید محمد علی نے مرتب کی تھی اور اس میں سید صاحب کی پیدائش سے لے کر راہ ہجرت میں قدم رکھنے تک حالات جمع کر دیئے تھے سید محمد علی صاحب سید صاحب سے عمر میں بڑے تھے اور ہجرت سے پیشتر کی زندگی ان کے سامنے گذری تھی، لیکن تفصیلات کے طلبگار کو یہ کتاب دیکھ کر مایوسی ہو گی اس لئے کہ یہ حالات کا ایک سرسری مرقع ہے ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۵ء میں مکمل ہوئی حضرت مؤلف خود فرماتے ہیں۔

گر بجوید سال تحریرش کسے از ذکر واثت　　　چشم دارد بر ہزار و دو صد و ہشتاد و ثلث

اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہے اور حضرات کے پاس بھی اس کی نقلوں کا علم ہوا ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۲ء میں نواب محمد علی خاں مرحوم نے مطبع مفید عام آگرہ میں چھپوا بھی دیا تھا مطبوعہ آج کل بہت کمیاب ہے میرے پاس موجود ہے۔ ضخامت ایک سو بیس صفحے، کاغذ اتنا ناقص ہے کہ ورق گردانی میں خاص احتیاط سے بھی کام لیا جائے تو ورق پھٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے تصحیح کا بھی چنداں اہتمام نہ کیا گیا (سید احمد شہیدؒ کتاب منزل لاہور ص ۱۶، ۱۷) اور جماعت مجاہدین (کتاب منزل لاہور ۱۹۵۵ء ص ۱۳۴) میں مہر صاحب اس کی نسبت فرماتے ہیں

"اسی زمانے (زمانہ قیام ٹونک) میں مخزن احمدی لکھی جو سید صاحب کے ابتدائی حالات کے متعلق واحد مستند ذریعہ معلومات ہے"۔

اس کتاب کا ایک مطبوعہ نسخہ راقم السطور کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے۔

مولانا غلام رسول مہر نے "سید احمد شہیدؒ" میں اس واقعہ کو مخزنِ احمدی کے حوالے سے نقل کیا ہے مگر انہیں پھر بھی رسالہ حقیقت الصلوٰۃ کے سید صاحبؒ کی تصانیف سے ہونے پر تنبہ نہ ہوسکا۔

ان کے پیش رو منشی محمد جعفر تھانیسری المتوفی ۱۹۰۵ء نے تواریخِ عجیبہ موسوم بہ سوانح احمدی میں یہ واقعہ بیعت ہی کو نہیں بیان کیا بلکہ اس تقریر کو جو رسالہ حقیقت الصلوٰۃ میں مذکور ہے اختصار اور اپنے اضافہ کے ساتھ زینتِ کتاب بھی کر دیا ہے اور لطف یہ ہے کہ اختتام اقتباس پر لفظ انتہی بھی لکھ دیا ہے وہ خاتمۂ اقتباس یہ ہے

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر دربار سے رخصت ہوجائے انتہیٰ[۱] اور پھر یہ بھی تحریر فرمایا ہے، یہ تقریر کا خلاصہ ہے جو سید صاحب نے مولوی عبدالحی صاحب سے فرمائی تھی، ورنہ اس پوری تقریر اور تشریح کے بیان کرنے سے خود مولوی عبدالحی صاحب قاصر تھے[۲]۔

منشی محمد جعفر تھانیسری نے مذکورہ بالا اقتباس اگرچہ سید صاحبؒ کی تصنیف حقیقت الصلوٰۃ ہی سے نقل کیا ہے مگر اس کا نام تک نہیں لیا ہے اور نہ سیّد شہیدؒ کے سلسلۂ تصانیف میں کہیں اس کا ذکر کیا ہے۔

مولانا کرامت علی جونپوری المتوفی ۱۲۹۰ھ نے مولانا عبدالحی سے انہی کے الفاظ میں واقعۂ بیعت کی جو تقریر "نورٌ علیٰ نور" میں نقل کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالحی نے جواب کو مسائل کے سوال کی حد تک محدود رکھا ہے اور صرف آپ بیتی کے بیان پر اکتفا کیا ہے۔ سیّد شہیدؒ کی تقریر سے تعرض نہیں کیا اسی لئے اس میں رسالہ

[۱، ۲] ملاحظہ ہو تواریخِ عجیب موسوم بہ سوانح احمدی مطبع فاروقی دہلی ۱۳۰۷ھ صفحہ ۲۰۰

حقیقۃ الصلوٰۃ کا ذکر نہیں آیا ہے۔ مولانا کرامت علی جونپوری کے اس بیان سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مؤلفِ مخزن احمدی کا یہ لکھنا کہ "شاہ عبدالقادر قدس سرہ کہ دران مسجد مقیم بودند" سہوِ قلم ہے، موصوف کا بیان ہے

اب مرشدِ برحق سید احمد قدس سرہ جو مرشد صاحبِ تاثیر تھے اور ان کے صاحب طریقہ ہونے کا بیان جو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ نے فرمایا تھا اس حکایت کو سنو۔

حکایت : اس حکایت سننے کے پہلے یاد رکھو کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کہ حضرت سید صاحب کو ان کے ابتداء وقت سے میر صاحب کہا کرتے تھے اور حضرت مولانا عبدالحی صاحب اور ہم سب معتقد لوگ میاں صاحب کہا کرتے تھے اور مولانا عبدالحی مولانا محمد اسمٰعیل کو میاں محمد اسمٰعیل کہا کرتے تھے، چونکہ اس حکایت کو ہم بجنسہ لفظ بلفظ بیان کریں گے اور یہ لفظیں اس میں آویں گے اس واسطے ان لفظوں کے یاد رکھنے کو کہا اب وہ حکایت سنو۔

ایک روز اس عاجز مسکین نے حضرت عالم ربانی مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ آپ جو اس قدر میاں صاحب سے اعتقاد رکھتے ہیں اور روپے پیسے کپڑے وغیرہ دنیاوی چیزوں کو چھوڑ کے میاں صاحب کی صحبت اختیار کئے ہیں اور آپ کے بدن پر جو کپڑا ہے اس کے سوا آپ کے پاس کہیں کپڑا بھی نہیں اور آپ جب میاں صاحب کے روبرو بات کرتے ہیں تو ترساں اور لرزاں رہا کرتے ہیں۔ تو للہ آپ ہم سے سچ بیان کیجئے کہ آپ نے میاں صاحب سے کیا پایا جو اپنا حال ایسا بنایا تب مولانا مغفور نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالےٰ میں سچ بیان کروں گا۔

سنو میرا حال یہ تھا کہ میں سلوک الی اللہ اور مشاہدہ حاصل ہونے کا بڑا مشتاق تھا۔ تب میں نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ سے عرض کیا کہ مجھ کو

آپ سلوک الی اللہ تعلیم کیجیے اور اس کے قبل میں بہت سے ہندی اور ولایتی مرشدوں سے توجہ لے چکا تھا مگر میرا مقصود حاصل نہ ہوا تھا تب آپ نے مجھ کو حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ کے پاس بھیجا وہاں بھی چند روز توجہ لیتا رہا مگر میرا مقصد حاصل نہ ہوا تب میں نے حضرت مولانا سے پھر عرض کیا کہ یہ خادم حضور کے توجہ کا محتاج ہے اور حضور دوسرے مقام میں بھیجتے ہیں ہم کو آپ خود تعلیم کیجیے۔

تب حضرت مولانا نے فرمایا کہ میاں میں بہت بڈھا اور کمزور ہوں اور مجھ میں بہت دیر تک بیٹھنے کی طاقت نہیں یہ مقصد تمہارا امیر احمد صاحب سے حاصل ہوگا تم ان سے بیعت کرو تب اس جناب کا یہ فرمانا مجھ کو بہت شاق گذرا اور میں ناراض ہو کے چپ رہا پھر کئی بار اور بھی عرض کیا وہی جواب پایا۔

آخر کو بعد چند روز کے یہ واقعہ درپیش ہوا کہ میں اور حضرت میاں صاحب اور میاں محمد اسمٰعیل مدرسہ کے ایک ہی مکان میں رہا کرتے تھے ایک شب کو بعد عشاء کے جب ہم تینوں شخص پلنگ پر سوئے تب میاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا مجھ کو حضرت رب العٰلمین نے اپنے فضل و کرم سے بطورِ الہام خبر دیا ہے کہ فلانی تاریخ فلانے سفر میں تو جاوے گا فلانے مقام میں یہ ہوگا فلانے مقام میں وہ ہوگا اور اس قدر لوگ مرید ہوں گے وعلیٰ ھذا القیاس سب باتیں بیان کیا[1]۔ پھر دوسرے روز بھی ایسی عجیب و غریب باتیں بیان کیا۔ اسی طرح سے کئی روز تک مکہ معظمہ کے سفر اور جہاد کے سفر اور جہاد کے واقعات کا بیان بتفصیل تمام فرمایا تب ہم نے اور میاں محمد اسمٰعیل نے مشورہ کیا

---

[1] واضح رہے اس تقریر کی زبان میں پوربی اور بہاری طرزِ ادا کی جو جھلک نظر آرہی ہے وہ مولانا کرامت علی جونپوریؒ کے اندازِ بیان کا اثر ہے ورنہ دلی اور اس کے اطراف کی زبان کا یہ طرزِ ادا نہیں رہا ہے۔

کہ اگر یہ سب باتیں سچ بیان کرتے ہیں تو بلاشبہ یہ بہت بڑے شخص اور قطب ہیں، ان سے کچھ فیض لینا بہت ضروری ہے۔ سو آؤ کسی بات میں ان کا امتحان کریں تب میاں محمد اسمٰعیل نے کہا کہ آپ ہم سے بڑے ہیں آپ ہی تجویز کر کے کسی بات میں امتحان کیجیے۔ آخر کو جب پہر رات کو میاں صاحب نے پکارا کہ مولانا تب ہم نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی بزرگی میں کچھ شبہ نہیں مگر ہم کو ان سب باتوں سے کیا فائدہ کچھ ہم کو عنایت کیجیے تب فرمایا کہ مولانا کیا مانگتے ہو تب ہم نے کہا کہ حضرت یہی مانگتے ہیں کہ جیسی نماز صحابہ کرام ادا کرتے تھے، ویسی ہی دو رکعت ہم سے ادا ہو۔ یہ کہا اور میاں صاحب ایک بارگی خاموش ہو گئے اور کئی روز بھر کچھ نہ بولے تب ہم لوگوں نے جانا کہ فقط زبانی باتیں تھیں، اصل باتوں سے ان کو کچھ علاقہ نہیں مگر ہمیشہ کی دوستی اور محبت کی مروت سے ہم لوگ کچھ نہ بولے کہ اب شرم دینا کیا ضرور اور چپ کر کے سو رہے پھر آدھی رات کے کچھ قبل یا بعد حضرت میاں صاحب نے پکارا مولانا اس پکارنے سے مجھ کو قشعریرہ ہوا اور بدن پر روئیں کھڑے ہو گئے اور اس جناب سے مجھ کو بڑا اعتقاد آگیا، تب میں نے جواب میں کہا حضرت تب فرمایا کہ جاؤ، اس وقت اللہ کے واسطے وضو کرو، تب میرے بدن پر پھر قشعریرہ ہوا اور میں نے کہا کہ بہت خوب، دو تین قدم میں چلا تھا کہ پھر پکارا، مولانا سن لو، میں پھر کے حضرت کے پاس حاضر ہوا، فرمایا تم نے خوب سمجھا، میں نے کیا کہا کہ اللہ کے واسطے وضو کرو، پھر میں نے کہا بہت خوب، اور چلا، دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور اسی طرح فرمایا، اسی طرح تین بار کیا اور تیسری بار جا کے میں وضو کرنے لگا تو ایسا حضورِ دل اور حق سبحانہٗ کے خوف سے میں نے ادب کے ساتھ وضو کیا کہ ایسا وضو کبھی نہ کیا تھا۔ پھر وضو کر کے حضرت کے حضور حاضر ہوا، فرمایا کہ جاؤ، اللہ رب العالمین کے واسطے اس وقت دو رکعت نماز پڑھو تب میرے بدن پر قشعریرہ ہوا اور نماز کو واسطے چلا۔

دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور میں حضور میں حاضر ہوا فرمایا کہ تم نے خوب سمجھا یا نہیں، میں نے کہا کہ بہت خوب اور نماز کے واسطے چلا پھر تیسری بار پکارا اور ویسا ہی سمجھا دیا تب میں نے ایک گوشہ میں نماز شروع کی تو تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی ایسا مشاہدۂ جلال میں غرق ہوا کہ ہوش باقی نہ رہا اور اس قدر رویا کہ آنسو سے ڈاڑھی تر ہوگئی اور اس قدر نماز میں غرق ہو گیا کہ دنیا کی یاد مطلق نہ رہی اور نہایت خوف اور لذت کے ساتھ میں نے دو رکعت نماز پڑھی، جب دو رکعت پڑھا تو خیال کیا کہ میں نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھا۔ پھر سلام پھیر کے دوبارہ دوسری بار دو رکعت کی نیت کیا پھر جب پڑھ چکا تو خیال کیا کہ فاتحہ میں سورہ کو ضم نہ کیا تھا پھر شروع کیا اسی طرح ہر بار ایک ایک واجب کے ترک کرنے کا خیال آتا تھا اور نماز کو ناقص سمجھ کے دہراتا تھا۔ واللہ اعلم

سو رکعت یا زیادہ کم پڑھا ہوگا کہ صبح صادق کا قریب ہوا پھر آخر کو ناچار ہو کے سلام پھیرا اور بہت شرمندہ ہوا کہ میری استعداد اس طرح کی ناقص ہے کہ دو رکعت پوری بھی حضورِ دل کے ساتھ نہ پڑھ سکا اور اتنے کامل شخص کو میں نے آزمایا۔ اب اگر پوچھیں کہ تم نے دو رکعت اللہ کے واسطے پڑھا تو میں کیا جواب دوں گا، میں تو حضورِ دل کے ساتھ جیسا کہ حق نماز پڑھنے کا ہے ویسا دو رکعت بھی نہ پڑھ سکا اسی سوچ میں شرم کے دریا میں غرق ہو گیا اور اپنے قصور کا معترف ہو کے اللہ سبحانہ سے استغفر اللہ استغفر اللہ کہنے شروع کیا، جب اذان ہوئی تب مجھ کو ہوش ہوا اور یاد پڑا کہ صحابہ کرام کا یہی حال تھا کہ تمام رات عبادت کرتے اور پچھلی رات استغفار کرتے تھے، ان کی شان میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا اَلْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ۔ اور سوچا کہ بلاشبہ یہ بڑے کامل مرشد ہیں کہ ان کے کلام سے میرا مقصد پورا ہوا اور جو نعمت مدتِ دراز کی محنت میں حاصل نہ ہوئی تھی سو ان کے ایک دم فرمانے سے حاصل ہوئی۔

پھر میں مسجد میں گیا اور قبل نماز فجر کے میں نے حضرت میاں صاحب سے بیعت کیا اور صبح کی نماز کے بعد میاں محمد اسمٰعیل سے میں نے رات کا قصہ پورا بیان کیا اور اپنے بیعت کرنے کا بیان کیا آپ نے فرمایا بارک اللہ بارک اللہ خوب کیا میاں میں تم سے اس واسطے کہا کرتا تھا کیوں میاں تم نے میر صاحب کا کمال دیکھا تب میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے بہت درویشوں کی خدمت کیا اور بہت طریقوں کے موافق میں نے شغل اور مراقبہ کیا میرا مقصد کبھی نہ حاصل ہوا۔ حضرت سید صاحب نے ایک بات زبان سے کہہ دیا اور میں دلی مقصد پا گیا حضرت یہ کون طریقہ کہلاتا ہے۔

تب فرمایا کہ میاں ایسے لوگ کسی طریقہ کے محتاج نہیں ہوتے ایسے لوگ جو زبان سے کہیں وہی طریقہ ہے ایسے لوگ خود صاحب طریقہ ہوتے ہیں اور ایسے لوگ طریقہ نکالتے ہیں حضرت مولانا کے فرمانے سے اور بھی زیادہ مجھ کو حضرت میاں صاحب کے مرشد صاحب طریقہ ہونے کا یقین ہوا اور میرا اعتقاد اور بھی زیادہ ہوا اس سبب سے میں میاں صاحب کی غلامی میں حاضر ہوں اور ان کی غلامی کے قابل بھی میں اپنے تئیں نہیں پاتا۔

تمام ہوئی تقریر مولانا عبدالحی مرحوم کی

بس حضرت مرشد برحق کے صاحبِ طریقہ ہونے کے واسطے ہندوستان اور بنگالے کے سارے اہل سنت و جماعت کے نزدیک حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز کا اس قدر فرمانا کفایت ہے[1]۔

واضح رہے صاحب مخزنِ احمدی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سید شہیدؒ نے خود مولانا عبدالحی کو دو رکعت نماز پڑھائی اور نور علیٰ نور میں جو تقریر نقل

---

[1] ملاحظہ ہو نور علیٰ نور، مطبع اعظم المطابع، جونپور ۱۳۲۵ھ ص ۶۸ تا ۳،

کی گئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا عبدالحی نے خود نماز پڑھی یہ تعارض جو بظاہر ان دونوں بیانات میں نظر آتا ہے اس میں تطبیق اور جمع کی صورت یہ ہے کہ سید شہیدؒ نے پہلے خود دوگانہ پڑھائی اور پھر انہوں نے جدا جدا پڑھی چنانچہ مقالاتِ طریقت[1] (مطبع متین کرمان حیدر آباد دکن) صفحہ ۱۹ میں مذکور ہے۔

حضرت شہیدؒ نے اپنے ساتھ ان کو نماز میں کھڑا کیا جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا کہ اب جدا جدا نیت باندھ کر ایک دوگانہ علیحدہ ادا کرو جب کھڑے ہوئے تو اس طرح استغراق ہوا کہ دو رکعت ہی میں شب بسر ہو گئی جب یہ فیضِ باطن مشاہدہ کیا تو صبح کو دونوں صاحبوں نے بیعت کی اور یہاں تک آپ کی کفش برداری میں حاضر رہے کہ کفش برداری کو فخر جانتے تھے چند روز کے بعد آپ نے فرمایا کہ مولانا مشیتِ الٰہی یہی ہے کہ تم کو تکمیل اس علم کی اور تتمیم ان مراتب کی سفر میں حاصل ہو ان کو ہمراہ لے کر مکہ معظمہ کا سفر کیا۔

موضوع حقیقۃ الصلوٰۃ

حقیقت الصلوٰۃ اور اسرار صلوٰۃ کے موضوع پر حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی المتوفی ۵۰۵ھ نے احیاء علوم الدین (طبع مصر) ۱۳۵۸ھ ج۔ ا ص ۱۵۱ تا ۲۱۰ میں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ طبع بریلی ۱۲۸۶ھ ص ۱۴۵ میں اور ان کے شاگرد حافظ علامہ سید مرتضےٰ بلگرامی ثم زبیدی ثم مصری المتوفی ۱۲۰۵ھ نے اتحاف السادۃ المتقین لشرح احیاء علوم الدین (جلد سوم طبع مصر ۱۳۱۱ھ) میں اور خواجہ میر درد المتوفی ۱۱۹۹ھ نے رسالہ اسرار الصلوٰۃ[2] میں محققانہ اور عالمانہ انداز میں نہایت دقیق

---

[1] ملاحظہ ہو نور علی نور، مطبع اعظم المطابع جونپور ۱۳۲۵ھ ص ۶۸ تا ص ۷۳

[2] موصوف نے یہ رسالہ پندرہ برس کی عمر میں لکھا تھا، محمد حسین آزاد آبِ حیات لاہور ۱۹۵۰ء ص ۱۸۳ میں لکھتے ہیں تصنیف کا شوق ان کی طبیعت میں خداداد تھا۔ چنانچہ اول پندرہ برس کی عمر میں بحالتِ اعتکاف رسالہ اسرار الصلوٰۃ لکھا۔ یہ فارسی زبان میں چوبیس صفحات کا مختصر رسالہ ہے جو سید نور الحسن بن نواب صدیق حسن خان کی فرمائش سے رسالہ "مبدأ و معاد" تالیف حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوا تھا۔ رسالہ مذکور پر سنِ طباعت درج نہیں ہے۔ یہ رسالہ بھی راقم السطور کے پاس موجود ہے

نکات واسرار کی نشاندہی کی ہے لیکن سیّد احمد شہیدؒ کی اس موضوع پر تقریر اپنے پیشروؤں سے مختلف اور جداہی نہیں بلکہ سادہ وسہل اور آسان بھی ہے کہ عالم وجاہل ہر ایک اس کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ رسالہ حقیقۃ الصلوٰۃ کو اگر کسی رسالہ سے کوئی مناسبت ہے تو وہ شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ کے رسالہ فوائد نماز سے ہے اسی میں اس قسم کے نکات مذکور ہیں۔ اس لحاظ سے رسالہ حقیقۃ الصلوٰۃ اپنے بعض خوبیوں کے لحاظ سے یکتا اور اس موضوع پر اردو زبان میں پہلی کتاب و سیّد شہید کی عجیب یادگار ہے جس کا محفوظ رکھنا ہمارا فرض ہے۔

اس تصنیف سے سیّد احمد شہیدؒ کی دقتِ نظر، اندازِ فکر، مسائل کی حقیقت اور روح شریعت تک رسائی پر بھی روشنی پڑتی ہے نیز معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مشکل سے مشکل مسائل کو سیدھی سادی مثالوں سے سمجھانے پر بڑی قدرت حاصل تھی۔

اس کتاب کے مطالعہ سے اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ سیّد احمد شہیدؒ کو خانوادہ ولی اللّٰہی سے فہم مسائل میں گہری علمی مناسبت حاصل ہوگئی تھی چنانچہ وہ اسرار و معارف اور دقیق علمی نکتے بھی خوب بیان کرتے تھے اور یہ خانوادۂ ولی اللّٰہی کا طغرائے امتیاز ہے، ناظرین کو اس امر کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے، جو محمد ابراہیم ضیاء نے حاجی محمد حسین سہارنپوری کے واسطے سے ان کے استاد مولوی وحید الدین پھلتی شاگرد شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ سے نقل کیا ہے کہ :

ایک دن آپ (سیّد احمد صاحب) نے مولوی وحید الدین صاحب مسطور (جن کا ذکر اوپر آیا ہے) سے فرمایا کہ تم مجھ سے کوئی علمی بات نہیں پوچھتے اس کا کیا سبب ہے انہوں نے عرض کیا کہ میرے استاد مولانا اسمٰعیل حضرت سے جو پوچھتے ہیں اس کا جواب پاتے ہیں مجھ میں کیا حوصلہ ہے کہ کچھ پوچھوں آپ نے فرمایا خیر وہ پوچھیں تو پوچھیں تم بھی کچھ پوچھو۔ انہوں نے پوچھا کہ :۔

الرکن الاسود یمین اللّٰہ فی الارض یصافح بہا عبادہ کما یصافح احد کما اخاہ کے کیا معنی ہیں ؟

فرمایا یہ تو اور متشابہات جیسی بات ہے جس طرح کہ "ید" اور "وجہ" آیا ہے ویسا یہ بھی ہے دوسری بات اس میں یہ ہے کہ کعبہ عوام کے واسطے ثواب کی جگہ ہے جیسا کہ فرمایا مثابۃً للناس (موضع ثواب کا آدمیوں کے واسطے) وہاں جانے اور طواف کرنے سے گناہ دور ہوتے ہیں۔ ثواب حاصل ہوتا ہے اور خواص کو ایک نسبتِ خاص ہے کہ عوام کو نصیب نہیں۔

اس کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ جب مرید مرشد کے روبرو بیٹھتا ہے اور مرشد کے انوار اور برکات اس میں حسب استعداد اس کے اثر کرتے ہیں تو مرید کا باطن نہایت پُر انوار اور شوق و ذوق سے بیقرار ہوتا ہے تو مرید چاہتا ہے کہ مرشد کے تصدق ہوجیئے اور قدم چومیئے۔ مرشد اس کا شوق و ذوق دیکھ کر ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ وہ دست بوسی کرے اور اس کو تسکین ملے۔ اسی طرح ارباب نسبت جب طواف میں مشغول ہوتے ہیں تو ان کا باطن شوق و ذوق سے نہایت بیقرار ہوتا ہے حجرِ اسود کا بوسہ لیتے ہیں تو اپنے باطن میں تسکین پاتے ہیں۔

دفترِ صوفی سوادِ حرف نیست ‏ جز دل اسپند ہمچو برف نیست

زادِ دانش مند آثارِ قلم ‏ زادِ صوفی چیست اسرارِ قدم

آنچہ تو در آئینہ بینی عیان ‏ پیر اندر خشت بیند بیش ازان

در دلِ انگور مے را دیدہ اند ‏ در فنائے محض شی را دیدہ اند [۱]

---

[۱] "مقالاتِ طریقت معروف بہ فضائلِ عزیزیہ" مطبع متین کرمان حیدرآباد دکن ۱۲۹۲ھ صفحہ ۲۱۸ و ۲۱۹

حقیقت یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز کو وہبی علوم سے جو حصہ وافر ملا تھا اس سے سید شہیدؒ محروم نہیں رہے۔ انہیں بھی اس نعمت سے نوازا گیا۔ یوں سید شہیدؒ کو ظاہری و باطنی جامعیت حاصل ہوئی۔ دیکھو کمال باطنی کا یہ حال تھا کہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو آپ کی صحبت ہی نے خدا رسیدہ بنا دیا تھا۔ اس امر کا اندازہ ناظرین کو صرف ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے، جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے استاذ الاساتذہ مولانا محمد یعقوب نانوتوی المتوفی ۱۳۰۲ھ سے نقل کیا ہے موصوف کا بیان ہے۔

استاذی حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صاحب فرماتے تھے کہ ایک عامی شخص نانوتہ کی مسجد میں نماز پڑھنے آتے اور وہ جب آتے تمام مسجد منور ہو جاتی تو پتہ نہ چلا کہ یہ انوار کس سبب سے ہے پھر بعد غور معلوم ہوا کہ فلاں شخص کے آنے پر ہوتے ہیں ان کی وضع سے اس کا گمان بھی نہ ہوتا تھا اس لئے اول اول تذکرہ ہی نہیں کیا۔ احتمال رہا کہ شاید اور کچھ سبب ہو مگر جب تکرارِ مشاہدہ سے اس کی تعین ہو گئی کہ یہی شخص اس کا سبب ہیں تو ان سے دریافت کیا کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ ذاکر شاغل بھی معلوم نہ ہوتے تھے، انہوں نے کہا کہ میں تو کچھ نہیں جانتا مگر حضرت صاحبؒ (سید احمدؒ) کی صحبت میں البتہ چند روز رہا ہوں۔ یہ اس کی برکت تھی[1]۔

جب جہاد کی دعوت دی تو خلقِ خدا پر جو اثر ہوا ہے اس کا نقشہ حافظ محمد حسین مراد آبادی نے حسب ذیل الفاظ میں کھینچا ہے۔

مسلمانانِ ہندوستان را بر تحریضِ جہاد و تعلیم ظاہر نفیر عام کردند و نیز تسخیر قلوب مریدان و جذب	ہندوستان کے مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کیا اور پھر جہاد کی نفیر عام کی۔ مریدوں کے قلوب کو مسخر کیا، معتقدوں کو اپنی طرف

---

[1] حسن العزیز طبع دوم مکتبہ تالیفاتِ اشرفیہ تھانہ بھون، یوپی، بھارت ج ۴ ص ۱۰۶

معتقدان نمودند آنچنان ہمت باطن ہر خاص و عام ریختند کہ مسلمانان دیارِ ہند برادر برادر را و پسر مادر را و پدر پسر و دختر را و زوج زوجہ را گذاشتہ ہمراہِ آنجناب شد۔

کھینچا اور اپنے فیض باطنی سے عام وخاص پر ایسی توجہ فرمائی کہ دیارِ ہند کا مسلمان بھائی بھائی کو، بیٹا ماں کو باپ بیٹے اور بیٹی کو اور شوہر بیوی کو چھوڑ کر حضرت ممدوح کے ساتھ ہولیا۔

توجہ، مراقبے اور اشغال تصوّف کی تحقیق موصوف کو ایسی تھی کہ اوروں کو کم ہو گی صراطِ مستقیم اس پر شاہدِ عدل ہے۔

کمال ظاہری کا یہ حال تھا کہ مولانا عبدالحی بڈھانوی اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ جیسے جلیل القدر علما، جن کا ثانی کم پیدا ہو گا اپنے شبہاتِ علمی پوچھتے اور جواب باصواب پاتے تھے۔

اسی ذاتِ قدسی صفات نے نماز کی حقیقت کو حقیقۃ الصلوٰۃ میں سمجھایا ہے یہ ایک مختصر رسالہ اردو زبان میں اس اعتبار سے خاص مقام رکھتا ہے کہ سید احمد شہیدؒ نے اس میں نماز کے طریقے اس کی حقیقت اور ارکانِ صلوٰۃ کی باہمی ترتیب و مناسبت کو عام فہم، سادہ اور سلیس اردو میں لکھا ہے۔ اندازِ بیان بھی دلکش اور دلنشیں ہے[1]

---

[1] سید احمد شہیدؒ نے نماز کے طریقہ اور مسائل پر خود بھی رسالہ لکھا اور اپنے رفقاء اور مریدوں سے دینی کے ضروری مسائل کو نظم بھی کرایا ہے۔ چنانچہ مولانا مہر صاحب "سید احمد شہیدؒ" طبع لاہور ج ۲ ص ۴۱ و ۴۲ میں لکھتے ہیں، قاضی علاؤ الدین بھگروی مولانا عبدالحی کے شاگرد تھے، وہ شعر بھی کہتے تھے۔ سید صاحب نے ان سے فرمایا کہ ضروری دینی مسائل سلیس اردو میں نظم کر دیجیے تاکہ لوگ آسانی سے یاد کر لیا کریں۔ انہوں نے یہ کام شروع کر دیا لیکن تکمیل سے پہلے شہیدؒ ہو گئے۔ قاضی صاحب نے جو نظم شروع کی تھی اس کے ابتدائی اشعار یہ تھے:

کروں حمد اس ذات بے عیب کی — غنی و حمید عالم الغیب کی،
جو محتاج ہرگز کسی کا نہیں — اسی کے ہیں محتاج سب کہیں

"حقیقۃ الصلوٰۃ" اور "حقیقتِ نماز" کے نام سے اردو کے بعض نامور اہلِ قلم نے بھی کتابیں لکھی ہیں ان کو پڑھ لیں اور اس چھوٹے سے رسالہ کو بھی، آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ کس کی بات دل پر اثر کرتی ہے۔

رسالہ حقیقۃ الصلوٰۃ

الٰہی شکر تیرے احسان کا کہ تو نے ہمارے دل کو روشن اور زبان کو گویا کیا اور ایسے نبی مقبول کو خلق اللہ کی ہدایت کے واسطے بھیجا کہ جس کی ادنیٰ شفاعت سے دونوں جہان کی نعمت پاویں۔ اور اس کی رہنمائی سے عرفان کی لذت اٹھاویں۔

پس درود اس نبی مختار اور اس کے آل اطہار اور اصحاب کبار پر ہوجیو کہ جس نے بشر کو ضلالت اور گمراہی سے باز رکھا اور علماء و فضلاء کو زیورِ علم و دانش سے آراستہ کیا۔

پیچھے حمد خدا اور نعت رسول کے ارباب دانش پر ظاہر ہوجیو کہ مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے رب کو پہچانے اور اس کی صفات جانے اور اس کے حکم کو معلوم کرے اور مرضی نامرضی اس کی تحقیق کرے کہ بغیر اس کے بندگی نہیں اور جو بندگی بجا نہ لاوے بندہ نہیں اور بڑی بندگی نماز ہے کہ بدون اس کے کوئی بندگی قبول نہیں کیونکہ سارا سب بندگیوں اور برے کاموں سے بچنے کا یہی ہے اور اس نماز سے کوئی غافل نہیں نہ درخت، نہ عمارات، نہ پرند، نہ حیوانات، نہ حشرات، نہ زمین، نہ پہاڑ، نہ ستارہ نہ آسمان، نہ ارواح نہ فرشتے جیسے کہ نماز درخت اور عمارات کی قیام ہے اور پرند اور حیوانات کی رکوع اور تمام حشرات کی سجود اور زمین پہاڑ کی قعود، ستاروں اور آسمان کی حرکت، ارواح اور فرشتوں کی طہارت اور تسبیح اور کلمۂ شہادت اور تلاوتِ قرآن اور ذکر و دعا

اور اس انسان کو کہ خاص چیلا سرکاری ہے، ساری خوبیاں تھوڑے عرصہ

میں مرحمت فرمائیں اور خلیفہ کر کے سب پر اس کو حکم دیا، جس نے فرمانبرداری کی اور حکم بجالایا اس کا منصب قائم رہا اور بہشتی ہوا۔ اور جس نے نافرمانی کی اور حکم پر قائم نہ رہا وہ بے منصب ہوا اور اُلٹے پاؤں دوزخ میں گرا۔

جامعیتِ صلوٰۃ

اور جاننا چاہیئے کہ جو کوئی نماز پنجگانہ ادا کرتا ہے اس کو ثواب ایسا ملتا ہے جیسا زکوٰۃ اور حج اور روزے اور جہاد کا، اس طرح کہ خرچ پانی اور کپڑے کا خدا کی بندگی کے واسطے کرے بجائے زکوٰۃ کے ہے اور رُخ ہونا طرف کعبہ کے حج ہے۔ تکبیر تحریمہ بجائے احرام کے اور منہ طرف قبلہ کے کرنا بجائے طواف کے اور کھڑا ہونا بجائے وقوف عرفات کے رکوع اور سجود اور رکعتیں مانند دوڑنے درمیان صفا و مروہ کے اور موقوف کرنا کھانا پینا بجائے روزہ کے ہے۔ اس لئے کہ صوم بند کرنا نفس کا ہے اور بند کرنے سے نفس کے ایک ساعت بھی اس کی خواہشوں سے ایک صورت صوم کی ہو جاتی ہے بلکہ بہ نسبت روزے کے ایک طور سے زیادہ بند کرنا ہے اس واسطے کہ توجہ ظاہری اور باطنی طرف غیر کے کرنا نہیں چاہیئے۔ اور دفع کرنا شیطان کا اور مشقت میں ڈالنا نفس کا اس کی سُستیوں کے اوقات میں نماز اسی واسطے جہاد ہے لیکن نماز میں حضوری دل کی شرط ہے کہ بدون اس کے نماز پوری نہیں لکھی جاتی بلکہ کبھی آدھی کبھی تہائی یا چوتھائی یا پانچواں حصہ یا چھٹا یا ساتواں یا آٹھواں یا نواں یا دسواں، اسی واسطے ہے کہ ہر رکن نماز میں اتنا ٹھہرے کہ کوئی لحظہ حضوری میسر ہو۔

نماز میں حضوری کے اقسام

اور حضوری کئی طرح پر ہے ایک یہ کہ مضمون ہر رکن کا خیال کرے اور آپ کو سامنے رب کے جانے اور اس کو متوجہ حال اپنے کا سمجھے اور جونسی سورت پڑھے مضمون اسی سورت کا خیال کرے اگر مقام عتاب اور غصے کا ہے خوف کرے اور پناہ چاہے اور جو مقام

رحمت اور عنایت کا ہے اس کو خدا سے طلب کرے اور سوا اس کے اور بھی باتیں ہیں کہ وے واسطے خاص کے ہیں نہ واسطے عام کے۔

الفاظ کے معانی کی معرفت کا فائدہ

اور حضوری بغیر تاثیر دل کے میسر نہیں اور تاثیر دل کی بدون دانست معانی الفاظ کے حاصل نہیں۔ اسی واسطے جو کچھ نماز میں ہے معنی اس کے ہندی زبان میں محاورے کے موافق لکھے ہیں۔ اکثر غریب لوگ جو ان معنوں سے مطلق بے خبر ہیں سمجھ کے حضورِ دل سے نماز گزاریں اور بہت سی حلاوت پاویں۔

اور ایک فائدہ اور ہے اگر معنی الفاظ کے جانیں تو سب بُرے کاموں سے کہ جن سے نقصان ایمان کا ہے بچیں اور معلوم کریں کہ جو اقرار اپنے رب کے سامنے کیا ہے اسی پر قائم رہیں۔

نماز کی حقیقت کا بیان

اور ہر ایک طالبِ ایمان کو لائق ہے کہ حقیقت نماز کی اس طور پر جانے کہ حضرت حق نے مجھ کو تمام پیدائش میں بہتر پیدا کر کے بڑی تاکید سے واسطے حاضر ہونے دربار کے پانچ وقت اِذن مطلق دیا ہے اور محتاج اور کے اذن کا اور احسان مند کسی دربان یا نقیب کا نہیں کیا اور غیر حاضری پر وعدہ سخت عذاب کا فرمایا اور جاننا چاہئے کہ ایسی نعمتِ عظمٰی سے محروم رہنا اور وعدہ سخت عذاب کا سر پر لینا بڑی نادانی اور کمینہ پن ہے۔ پس اسی طرح عظمت نماز کی خوب سمجھ کر تمام آداب کہ لائق قبولیت بارگاہ بادشاہ حقیقی کے ہوویں بجا لاوے۔

طہارت و پاکیزگی

پہلے طہارت اور پاکیزگی کرے یعنی وضو کرے اور جو حاجت نہانے کی ہو غسل کرے

جیساکہ کوئی جب بادشاہی دربار کے جانے کا ارادہ کرتا ہے پہلے حمام کرتا ہے پھر کپڑے پہن کے جاتا ہے۔ بعد اس کے منہ طرفِ کعبہ کے کھڑا ہو کر کرے۔

فائدہ :- اس میں یہ ہے کہ کعبہ نافِ زمین ہے اور تمام زمین اسی سے پھیلائی گئی ہے اور پیدائش جسم آدمی کی خاک سے ہے جب ظاہر جسم اپنے کو طرف اس کی اصل کے متوجہ کیا باطن کو بھی یعنی روح کو طرف اس کی اصل کے یعنی حق تعالےٰ پیدا کرنے والا اس کا ہے، متوجہ کیا چاہیئے اور ہمیشہ اوقات پنجگانہ نماز بلاشبہ وقت دربار اور حضور کا جان کر حاجات اپنی عرض کرے۔

اب بیان نماز کا اور معنی الفاظ کے مثال پر سمجھئے۔ مثلاً جس وقت کوئی بندہ قصد مناجات اور عرض حاجات کا دل میں مقرر کر کے حاضر دربار خاص کا ہو اور نہایت تعظیم اور عقیدہ درست اور نیت خالص سے روبرو اس بادشاہ عالی جاہ کے کھڑا ہو کر اور رُخ التفات کا اور طرف سے پھیر کر کہے اللہ اکبر اللہ بہت بڑا ہے

فائدہ تو اس وقت بادشاہ عالی جاہ اپنے بندے کے قصد اور ارادے پر مطلع ہو کے عنایت خاص مرحمت فرماتا ہے۔

فائدہ اور اٹھانا دونوں ہاتھوں کا تکبیر میں دست بردار ہونا دونوں جہان سے ہے۔

فائدہ: نیت اور تکبیر فرض ہے بعد اس کے دعاء استفتاح ہے اور اس میں تعظیم اور توحید ہے۔ وہ یہ ہے

فائدہ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ یعنی ساتھ پاکی کے یاد کرتا ہوں میں تجھ کو اے اللہ اور ساتھ تعریف تیری کے اور بہت خوبیوں کا ہے نام تیرا اور بہت بلند ہے مرتبہ تیرا اور نہیں کوئی لائق بندگی کے سوا تیرے۔

فائدہ: یہ دعا سنت ہے کہ جس قدر کلام تعظیم اور توحید کے اس بندے کی زبان سے صادر ہوتے ہیں عنایت شاہی اس پر دو چند نازل ہوتی ہے۔ ایسے وقت نزول رحمت الٰہی کے خیال سے کہ حضور بادشاہ کا میسر ہے دل اپنا حاضر کرکے حاجات اپنی عرض کرے لیکن پہلے عرض سے مضمون دفع شیطان کا کہ وہ بڑا حارج اور دشمن قدیم ہے ہوشیار ہوکر دل میں لاوے اور زبان سے کہے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان ہے رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہاں کا ہے۔
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	بہت مہربان نہایت رحم والا۔
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ	مالک انصاف کے دن کا
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ	تجھی کو ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ	چلا ہم کو راہ سیدھی
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ	راہ ان کی جن پر تونے فضل کیا۔
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ	نہ ان کی جن پر غصہ ہوا ہے اور نہ بہکنے والوں کی۔

یہ عرضداشت اللہ صاحب نے اپنے بندوں کی زبان سے فرمائی کہ جس وقت جی چاہے اس طرح کہا کریں بعد اس کے آمین کہنا، یعنی عرض ہماری قبول کر، سنت ہے اور یہ لفظ قرآن کا نہیں بالاتفاق اور نماز میں اس کے ساتھ ایک سورۃ اور ملاوے۔

(فائدہ) پڑھنا سورۃ فاتحہ کا اور ملانا ایک اور سورۃ کا واجب ہے اور پڑھنا اعوذ اور بسم اللہ کا سنت ہے۔

اور اس مقام پر سورۃ اخلاص یعنی قل ھو اللہ لکھی ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ

عوام الناس نماز میں بیشتر پڑھتے ہیں دو کر یہ کہ توحید اور صمدیت اللہ کی اور بے چونی اور بڑائی اس کی اس سورہ میں باختصار خوب ہے، اس واسطے کہ حکم اس کا اس طرح نازل ہوا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تو کہہ اللہ ایک ہے

اَللّٰهُ الصَّمَدُ اللہ پاک ہے یعنی کھانا پینا کچھ نہیں۔ صمد اس کو کہتے ہیں جو خود کسی کا محتاج نہ ہو اور اسی کے سب محتاج ہوں۔

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ نہ کسی کا جنا اور نہ کسی سے جنا گیا۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اور نہیں اس کے برابر کا کوئی۔

اس عرضداشت کے مضمون کو اس طرح سے سمجھے کہ جیسے کوئی مفلس تونگر سے تونگر بادشاہ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو کر اپنی عاجزی اور مفلسی اور اس کی تونگری اور بڑائی بیان کرتا ہے اور بڑا امیدوار ہو کر کچھ مانگتا ہے اور جس وقت وہ مفلس عنایت بے نہایت اس بادشاہ عالی جاہ کی معلوم کرتا ہے بڑی تعظیم سے آرزوئے پابوسی کر کے جھکتا ہے اور کہتا ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ پاک ہے میرا صاحب بڑی عظمت والا۔

(فائدہ) رکوع دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ حضور میں بسبب عظمت کے پیٹھ میری جھک گئی بعد اس تعظیم کے دعا ہے اس طرح پر کہ

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ سنی اللہ نے اس کی بات جس نے سراہا اسے بعد دعا کے مدح اور ثنا ہے کہ اسے کھڑا ہو کر کہے۔

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ كَمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى رَبُّنَا۔ اے صاحب ہمارے تیری ہی تعریف ہے بہت تعریف پاک جس میں خوبیاں ہیں ایسی تعریف کہ جسے دوست رکھے اور راضی ہو ہمارا صاحب۔

(فائدہ) یہ کھڑا ہونا پیچھے رکوع کے دلالت ہے اس پر کہ اس عاجزی پر ہی مستقیم ہوا کہ یہ کھڑا ہونا واجب ہے شبہ والے کو چاہیئے کہ درمختار اور کتابیں مثل کنز اور وقایہ کو دیکھے قول صحیح پر یہ دعا پڑھنی سُنّت ہے۔

جانا چاہیئے کہ اب وقت پابوسی کا ہے سجدہ کیجئے اور کہیئے۔

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلٰی پاک ہے میرا صاحب بہت اونچا۔

رکوع اور سجود میں بقدر ایک تسبیح کے ٹھہرنا فرض ہے اور تین بار تسبیح منقول کہنا سُنّت ہے لیکن مضمون اس مدح و ثناء کا موافق اپنے حوصلے کے سمجھنا بہت ضروری ہے کہ بعد تعظیم کے پھر کھڑا ہونا اور مدح و ثنا کا عرض کرنا اور پورا سنبھل کر زمین پر سر رکھنا سُنّت ہے۔

(فائدہ) جانا چاہیئے کہ رکوع جو مقام بڑی تعظیم کا ہے اس بندے کو معلوم ہوا کہ مجھ پر بڑی عنایت صاحب کی ہے جو ایسے مقام مقرب میں بدون طلب اور اجازت کسی نقیب چوبدار کے مجھ کو دخل ہوا اسی واسطے بہت سی تعریف کرتا ہے اور پیشانی اپنی خاک پر برابر اور بار بار کہتا ہے۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلٰی

اور جانا چاہیئے کہ سجدہ مقام نہایت قرب اور ظہور تجلیات جمال بادشاہی کا ہے یہ بندہ مارے ہیبت کے بعضے مضمون جو نہیں کہنے پایا اسی واسطے حکم ہوا کہ ایک دم ٹھہر جا دوسری بار عرض کرے یہ مضمون ہے جلسے کا، جلسے میں یہ الفاظ کہنے نہایت خوب ہیں اور سُنّت ہیں حدیث صحیح میں آئے ہیں وہ یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَارْفَعْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ اے اللہ بخش مجھے اور رحم کر مجھ پر اور راہ بتا مجھے کھانا دے مجھے اور سرفراز کر مجھے اور نقصان میرا دور کر۔

جلسے اور قومے میں سوا دو ان دعاؤں کے اور بھی صحیح حدیثوں میں منقول

ہے لیکن حنفی مذہب میں ایسا ثابت ہوا ہے کہ وہ دعائیں اگر نفل نماز کے قومے اور جلسے میں پڑھے تو سُنّت ہے اس لیے کہ فرض نماز میں ان دعاؤں کا پڑھنا سُنّت نہیں ہے مگر قومے میں۔ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ۔ فرض نماز میں بھی سُنّت ہے پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر زمین پر سر رکھے اور کہے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم اور جاننا چاہیئے کہ جس وقت رکوع اور سجدہ کرے اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے اور اس اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے مضمون کو اسی طرح سمجھے کہ ایک بار اول میں سمجھا تھا۔

(فائدہ) جس وقت یہ بندہ عرضداشت اور تعظیم اور عرض حاجات اور تسبیح موافق اپنے حوصلے کے کر چکا تو قابلیت بیٹھنے کی حاصل کی اگرچہ بیٹھنا سامنے ایسے بادشاہ عالیجاہ کے ترک ادب ہے لیکن مضمون اس کا مثال پر اس طرح سمجھے کہ یہ بیٹھنا روبرو اپنے صاحب کے اس واسطے ہے کہ مثلاً جس وقت صاحب پاؤں اپنا دراز کرے اور یہ بندہ کہ خدمت پاچپی کی اس پر لازم ہے بجالاوے یا کہ منتظر حکم کا ہے لیکن اس مقام کو بھی عبادت سے خالی نہیں رکھا ہے جیسے کہ تحفہ درود اور سلام کا اور پڑھنا تشہد کا مقرر ہے اس طرح پر کہ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰۃُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ یعنی سب بندگیاں زبان کی اللہ کو ہیں اور سب بندگیاں بدن کی اور سب بندگیاں مال پاک کی سلام تم پر اے نبی! اور مہر اللہ کی اور خوبیاں اس کی سلام ہم پر اور جتنے بندے اللہ کے اچھے ہیں سب پر، گواہ ہوں میں اس بات کا کہ کسی کی بندگی نہیں سوا اللہ کے اور گواہ ہوں میں اس کا کہ محمد بندہ اس کا ہے اور رسول اس کا۔

پڑھنا التحیات کا قعدہ سے پہلے اور دوسرے میں واجب ہے اور بیٹھنا قعدے پچھلے میں بقدر پڑھنے التحیات کے فرض ہے اور مضمون قعدہ آخر کا اس طرح سمجھے کہ یہ وقت دربار کے رخصت کا ہے السلام علیک کرکے باہر آیا چاہیئے اور السلام علیک اس دربار کے صاحب کا یہ ہے کہ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوتُ وَالطَّیِّبَاتُ بعد اس کے سلام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پڑھے اس طرح کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اور اپنے واسطے اور سب بندوں کے واسطے اس طرح ہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ بعد اس کے تشہد ہے اور تشہد کہتے ہیں گواہی دینے کو وہ یہ ہے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

جاننا چاہیئے کہ یہ گواہی توحید کی ہے، خدا کو ایک جانے اور اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا بندہ جانے اور رسول اس کا پہچانے اور معلوم کرے کہ ایسے مضمون زبان پر لانے اور دل میں یقین کرنے سے مسلمان ہوا ہے اور نماز فرض ہوئی اور اسی پر ختم ہوئی اور معلوم رکھے کہ جس مضمون پر مدار کسی کام کا ہوتا ہے تکرار اسی مضمون کے آخر آیا کرتی ہے اس واسطے پہلے تکبیر تحریمہ ہے کہ قصد حاضر ہونے دربار خاص کا کرتے ہیں۔ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ پڑھتے ہیں یعنی میں نے منہ کیا اسی طرف کہ جس نے زمین اور آسمان بنائے ایک طرف کا ہو رہا ہے اور میں شریک نہیں کرتا۔ اور اندر نماز کے بھی یہ مضمون بہت ہے جیسے کہ لَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ موجود ہے اور جس وقت دربار سے رخصت ہووے تو یہی عہد و پیمان کر اٹھے کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ بعد اس کے درود پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ الٰہی رحمت خاص بھیج اوپر محمدؐ کے اور آلِ محمد کے جیسے رحمت خاص بھیجی تو نے اوپر ابراہیم کے تو ہی ہے سراہا گیا بزرگی والا۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ الٰہی برکت بھیج اوپر محمدؐ کے و آلِ محمدؐ کے جیسے کہ برکت بھیجی تو نے ابراہیمؑ کے اوپر اور آل ابراہیم کے تو ہی ہے سراہا گیا بزرگ۔ اب ادب کے ساتھ نماز سے باہر آنا چاہیے باہر آنا نماز سے فرض ہے اور تحریمہ مسنون نماز سے باہر آنے کا شروع میں یہ ہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ منفرد کو چاہیے کہ وقت سلام کے فرشتوں کرام کاتبین کی جو اس کے دہنے اور بائیں ہیں نیت کرے اور مقتدی جو امام کے پیچھے برابر ہے امام اور دہنی طرف والے مقتدی اور فرشتوں کی نیت کرے اور اسی طرح بائیں طرف کے سلام میں امام اور بائیں مقتدی اور فرشتوں کی نیت کرے اور جو مقتدی کہ امام کے دہنے ہے دہنے سلام میں مقتدی اور فرشتوں کی جو اس سے دہنے ہیں نیت کرے اور بائیں سلام میں امام اور مقتدی اور فرشتوں کی اور مقتدی بائیں طرف کے کنارے والا علی ھذا القیاس اس کے بعد ایک دعا پڑھی سُنّت ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔

یا اللہ تو ہی ہے سلام اور تجھی سے ہے سلام اور برکت والا ہے تو اے صاحب بزرگی اور بخشش کے۔

جانا چاہیے جو بندہ پانچ وقت بیچ دربار ایسے پادشاہ عالی جاہ کے

بے منت اور احسان کسی دوسرے کے حاضر ہو کے سرفراز ہوا تو پھر لازم ہے کہ جو
اپنے مالک کے سامنے اقرار کر آیا اس پر قائم رہے یہ نہیں کہ پانچ وقت پروردگار کے
سامنے إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کہہ آوے بعد اس کے کسی اور کو پوجے
اور وقت مصیبت کے کسی اور کو پکارے اور مدد چاہے اور لازم ہے کہ جو خدا سے
دعا کرے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تو اس کو تحقیق کرے کہ صراط مستقیم
کہ راہ رضامندی حق تبارک تعالیٰ کی ہے کیا ہے اور کمالِ شفقت سے اس بندے
کے واسطے پروردگار نے تین رکعت نماز وتر مقرر فرمائی ہے کہ جس کے ادا کرنے
سے بندہ اپنے خالق کے سامنے عزیز ہوتا ہے اور نماز وتر واجب ہے اوپر قول
صحیح کے اور دعا قنوت پڑھنا تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے قرارت کے
پیچھے واجب ہے وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ
عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ
وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ
وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى
عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ۔

اے اللہ ہم مدد چاہتے ہیں تجھ سے اور بخشنا چاہتے ہیں ہم تجھ سے،
اور ایمان لائے ہیں ہم ساتھ تیرے اور بھروسہ کرتے ہیں ہم اور اوپر تیرے
اور تعریف کرتے ہیں ہم تیری اور شکر کرتے ہیں ہم تیرا اور نہیں انکار کرتے ہم
تیرا اور دور کرتے ہیں اور چھوڑ دیتے ہیں ہم اس کسی کو جو نافرمانی کرے تیری،
اے اللہ۔ تجھی کو پوجتے ہیں ہم اور تیری ہی نماز پڑھتے ہیں ہم اور سجدہ کرتے
ہیں ہم اور تیری ہی طرف دوڑتے ہیں ہم اور خدمت کو حاضر ہوتے ہیں ہم

اور امید رکھتے ہیں تیری مہربانی کی اور ڈرتے ہیں ہم عذاب تیرے سے مقرر عذاب تیرا منکروں کو لگنے والا ہے۔

اب بندہ مؤمن کو چاہیئے کہ اپنے دل کی طرف ذرا انصاف سے رجوع کرے کہ یہ سب اقرار جو اسے حضور کے وقت میں سامنے اپنے مالک کے کرے اور موافق اس اقرار کے عمل میں نہ لاوے پھر روز جزا کے کون سا منہ لگا کے اس قہار کے سامنے جاوے گا۔ ایمان نام فقط اقرار ہی کا نہیں بلکہ اقرار ساتھ یقین کے چاہیئے کہ ثمر اس کا عمل ہے اور عوام جو اس بات سے بے خبر ہیں خواص کو واجب ہے کہ ان کو آگاہ کریں کہ جو منہ سے اقرار کریں اس کو عمل میں لاویں۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کا فقہی مسلک

مولانا محمد عبد الحلیم چشتی

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح و تذکرہ پر اردو زبان میں چھوٹی بڑی کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں - جن میں ان کی زندگی کے ہر پہلو پر مفصل بحث ہے اور ان کے متعلق ہر قسم کے ناروا اعتراض اور بے جا الزام کی کھل کر تردید کی گئی ہے مگر تعجب ہے کہ ان کے تذکرہ نگاروں نے موصوف کے فقہی مسلک سے کوئی اعتناء نہیں کیا حالانکہ یہ بحث ان کی زندگی ہی میں چھڑ چکی تھی اس لئے یہ کسی طرح بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھی یہ تو مستقل سوانح عمریوں کا حال ہے. باقی کتب تذکرہ میں ایک آدھ تذکرہ نگار نے اس سلسلہ میں کوئی بات کہی بھی ہے تو اس کو حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں.

جن لوگوں نے اسلامی تحریکوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور ان کے عروج و زوال کے اسباب پر غور کیا ہے ان سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ عجم کی سرزمین پر کوئی اسلامی تحریک بھی تصوف اور مذاہب ائمہ اربعہ میں سے کسی مسلک کی پابندی کے بغیر کبھی پروان نہیں چڑھ سکی. ان وجوہ سے سید احمد شہیدؒ رحمۃ اللہ علیہ جیسے مخلص، مصلح، مجاہد، متبع سنت، حق گو، حق پسند بزرگ اور امام وقت کی زندگی کے حالات پر روشنی ڈالتے وقت سیرت نگاروں کا یہ فرض تھا کہ وہ موصوف کے مسلک فقہی کی وضاحت کرتے اور جو حقیقت تھی اس کو بے کم و کاست پیش کرتے مگر نہایت افسوس ہے کہ ارباب تذکرہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ بعض تذکرہ نگاروں نے اپنے مبہم بیانات سے اس مسئلہ کو

اور بھی الجھا دیا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان مبہم بیانات پر ایک تفصیلی نظر ڈال لی جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ان ارباب تذکرہ نے اس سلسلہ میں موصوف کے ساتھ کہاں تک انصاف کیا اور پھر خود حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات اور ان کے نامور خلفاء کے بیانات سے ان کے فقہی مسلک کی وضاحت کر دی جائے۔

سب سے پہلے سرسید احمد خان نے جو ابتدا میں اہل حدیث تھے آثار الصنادید میں سید شہیدؒ کا تذکرہ بڑی عقیدت سے کیا لیکن اس سلسلہ میں ایک حرف نہیں لکھا پھر نواب صدیق حسن خان نے تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار" میں ان کے حالات لکھے اور اس میں موصوف کے مقاماتِ عالیہ اتباعِ سُنّت اور جہاد سب ہی امور پر روشنی ڈالی۔ وہابیت کے الزام کی بھی پرزور تردید کی لیکن حنفیت کے متعلق دو لفظ لکھنے سے پہلو تہی کر گئے ہیں۔

نواب صاحبؒ کا بیان ملاحظہ ہو

وعظ خلفاء وے سرزمینِ ھند را از خس وخاشاک شرک و بدع پاک ساختہ و بر شاہراہ اتباع کتاب و سُنّت آوردہ کہ ھنوز برکاتِ آن نصائح جاری وساری است۔

سید صاحبؒ کے خلفاء کے وعظ نے ہندوستان کی سرزمین کو شرک و بدعات کی خس وخاشاک سے پاک وصاف کیا اور کتاب وسُنّت کی پیروی کی راہ پر ڈالا کہ آج بھی ان کے وعظ کی برکتیں جاری وساری ہیں۔

مقامات سید در سلوک ظاہر و باطن عالی تر ازاں است کہ بمقامات وحالات، فلاں وبہماں مانند اگر خواہی کہ نمونۂ ازاں بہ بینی بیاو کتاب

سید احمد شہیدؒ کے سلوک ظاہری و باطنی اس سے کہیں بالا تر ہیں کہ کسی کے حالات ومقامات سے تشبیہ دی جاسکے اگر تم

صراط مستقیم ورد الاشراک ورسالہ
امامت تقویۃ الایمان را ملاحظہ کن
ودریاب کہ این ہمہ بیان ہر چند در
ظاہر از زبان خلفاء و مریدان اوست
اما در حقیقت از جنان او فائض گشتہ

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

تشدید و تقریب صوری و معنوی علماء
موحدین متبعین این سرزمین را منبع
ومعدن ہمین فیوض خاطر اوست
گور پرستان و پیر پرستانِ ہند
بمجرد دیدن جہاد از وے در حدودِ
افاغنہ طریقہ اورا بردامن محمد بن
عبدالوہاب نجدی بستند وگفتند
آنچہ گفتند و نوشتند آنچہ نوشتند
وکردند آنچہ کردند حاشا وکلا کہ اورا
ہیچ علاقہ ظاہر و باطن با مشار
الیہ باشد۔

جہاد نہ ایجادِ شیخ نجد بود کہ
این مسئلہ در جملہ کتب اسلام از
کتاب وسنت وفقہ جزو لازم قوم

چاہتے ہو کہ اس کا نمونہ دیکھو تو آؤ اور کتاب
صراط مستقیم ورد الاشراک رسالہ (منصب
امامت اور تقویۃ الایمان کو دیکھو اور معلوم
کرو، ہر چند یہ تمام بیان ان کے خلیفہ اور
مریدوں کی زبان سے ادا ہوا ہے۔ لیکن
حقیقت میں یہ سب انہی کے فیض باطنی
کا اثر ہے۔

اس سرزمین کے متبع سنت اور توحید پرست
علماء کی ظاہری اور باطنی آراستگی اور درستگی
کا منبع و مخزن سید صاحبؒ کے فیضان باطنی
ہی کا نتیجہ ہے۔ ہندوستان کے قبر پرستوں
اور پیر پرستوں نے سید صاحب کو افغانوں
کے حدود میں محض جہاد کو دیکھ کر ان کے
طریقہ کو شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے
طریقے سے وابستہ کر دیا اور کہا جو کچھ کہا
اور لکھا جو کچھ کہ لکھا اور جو کچھ کہ کیا گیا، حاشا
وکلا ان کا ظاہری اور باطنی کوئی ادنیٰ سا
تعلق بھی عبدالوہاب نجدی سے نہیں،

جہاد شیخ نجدی کی ایجاد نہیں ہے بلکہ
یہ مسئلہ اسلام کی تمام کتابوں میں قرآن
حدیث، فقہ اور دوسری کتابوں میں بھی

است اما تا شروط و قیود آں موجود نگردد روا نیست و لہذا سید احمد در ہند جہاد نکرد و با دولت برطانیہ طرف نشد، ہجرت نمود و بیرون ازین معمورہ میدان صف با سکھان و افغانان آراست [1]

مذکور ہے، جب تک اس کے شروط و قیود نہیں پائے جاتے اس وقت تک جہاد جائز نہیں اس وجہ سے سید احمد شہیدؒ نے ہندوستان میں جہاد نہیں کیا اور حکومت برطانیہ سے برسر پیکار نہیں ہوئے۔ ہجرت کی اور انکی عملداری سے باہر سکھوں اور افغانوں کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے [2]

---

[1] ملاحظہ ہو نقصار جیود الاحرار، مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۸ھ صہ ۱۰۹ و ۱۱۰

[2] افسوس ہے کہ نواب صدیق حسن خان نے سرکار کی خیر خواہی کی وجہ سے سید صاحبؒ کے انگریزوں سے جہاد نہ کرنے کو بڑے غلط رنگ میں پیش کیا ہے چنانچہ مہر صاحب نے سید احمد شہیدؒ (طبع لاہور ج۔ ۱ صہ ۱۳) کے آغاز ہی میں اس پر تنبیہ کردی ہے، وہ فرماتے ہیں۔

(نواب صدیق خان) نے لکھا ہے کہ کتاب و سنت میں جہاد کے شروط و قیود ہیں اسی لئے سید صاحبؒ نے ہندوستان میں جہاد نہ کیا اور حکومت برطانیہ کے خلاف محاذ قائم نہ فرمایا بلکہ باہر جاکر سکھوں اور افغانوں کے خلاف لڑے مبادا اس بیان سے غلط فہمی پیدا ہو، اس لئے یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ سید صاحبؒ انگریزوں کو مسلمانوں کے لئے سکھوں سے بدرجہا زیادہ خطرناک سمجھتے تھے یہ اتفاق کی بات ہے کہ مختلف مصالح کی بنا پر سرحد کو مرکز بنایا اور اس میں سکھ سامنے آگئے، افغانوں کے خلاف لڑائیاں سید صاحبؒ کے مقاصد میں داخل نہ تھیں، نہ سید صاحبؒ انہیں پسند کرتے تھے، لیکن جن افغانوں نے مسلمانوں کے خلاف سکھوں کا ساتھ دیا اور بار بار کی تفہیم کے باوجود باطل کا راستہ نہ چھوڑا، ان سے مجبوراً لڑنا پڑا۔

عجیب بات ہے کہ نواب صدیق حسن خان نے حضرت شہیدؒ کے خلاف وہابیت کے الزام کی تردید پر تو بڑا زور دیا ہے مگر ان کے حنفی ہونے کا ذکر نہیں کیا جس سے خود بخود اس الزام کی تردید ہو جاتی۔

مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنوی جو اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے ان کو تو سید احمد شہیدؒ کے جزئیات احوال کی ایسی تلاش تھی کہ انھوں نے موصوف کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کی خاطر ۱۳۱۲ھ میں دھلی اور اس کے اطراف کا سفر بھی کیا تھا اور ان کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی تھیں ان کو بھی دیکھا تھا۔ نزھۃ الخواطر میں ان کا تذکرہ نہایت عقیدت کے ساتھ ان شاندار الفاظ میں کیا ہے۔

السید الامام الھمام حجۃ اللہ بین الانام موضح حجۃ الملۃ والاسلام قامع الکفرۃ والمبتدعین وانموذج الخلفاء الراشدین والائمۃ المھدیین مولانا الھمام المجاھد الشھید السعید احمد بن عرفان بن نور الشریف الحسنی البریلوی کان من ذریۃ الامیر الکبیر بدر الملۃ المنیر شیخ الاسلام قطب الدین محمد بن احمد المدنی[1]۔

مذکورہ بالا عبارت میں سید شہیدؒ کے حنفی ہونے کی طرف ہلکا سا اشارۃ تک نہیں کیا ہے۔ اس کے برعکس ایسے الفاظ لکھ دیئے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موصوف سلفی تھے یعنی اہل حدیث تھے اور ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مسلک پر عمل پیرا نہیں تھے موصوف کے الفاظ ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو نزھۃ الخواطر حیدرآباد دکن ج۔ ۷، ص۲۷

شد المئزر بنصرة السنة المحضة والطريقة السلفية[۱]۔ سید شہیدؒ نے سنتِ سنیہ اور طریقۂ سلفیہ کی نصرت حمایت میں بڑی سرگرمی دکھائی ہے

یہی وہ تعبیر ہے جس سے یہ ابہام ہو جاتا ہے کہ موصوف تقلید آئمہ کے قائل نہیں تھے۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ صاحب نزھتہ الخواطر نے حضرت سید احمد شہیدؒ جیسے پکے حنفی کو جو کابراً عن کابر حنفی تھے اور اس امر کا ببانگ دھل اعلان بھی کرتے تھے، جیسا کہ آگے آتا ہے، سلفی لکھ دیا ہے۔ سید صاحبؒ نے چونکہ لوگوں کو کتاب و سُنّت پر عمل کرنے کی دعوت دی تھی اور شرک و بدعات کی بیخ کنی کی تھی اس بنا پر صاحب نزھتہ الخواطر نے انہی کو نہیں بلکہ ان کے بہت سے خلفاء اور مریدوں کو بھی زمرۂ اھلحدیث میں شمار کیا اور عوارف المعارف فی انواع العلوم والمعارف میں صاف لکھ دیا ہے کہ موصوف کے اکثر و بیشتر اتباع کرنے والے کسی ایک امام کے مقلد نہیں تھے۔ فرماتے ہیں۔

ثم حدثت قوم من بينهم في هذا الزمان فانهم رفضوا التقليد بالمذاهب المذكورة وتمسكوا بالكتاب والسنة فمنهم من سلك مسلك التوسط بين الافراط والتفريط وذهب الى انه لايجوز تقليد شخص معين مع تمكن الرجوع الى الروايات الدالة على

پھر اسی زمانے میں ان کے اندر ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جس نے مذاھب اربعہ کی تقلید کو چھوڑ دیا اور کتاب و سنت کو پکڑا، پھر ان میں بعض ایسے ہوئے جنہوں نے افراط و تفریط کے درمیان توسّط کی راہ اختیار کی اور وہ اس طرف گئے کہ مقلد کو اپنے امام کے قول کے خلاف روایات تک رسائی کی قدرت ہو تو اسے کسی خاص امام کی تقلید روا نہیں ہے اور مطلق تقلید

---

[۱] ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۲۹ یہ سفرنامہ اب کتابی صورت میں "دھلی اور اس کے اطراف کے نام سے کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دھلی سے ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا۔

خلاف قول الامام المقلد (بالفتح) والتقليد المطلق جائز والا لزم تكليف كل عامي وهذا مذهب الشيخ ولي الله بن عبد الرحيم الدهلوي وحفيده اسمعيل بن عبد الغني بن ولي الله واكثر اتباع سيدنا الامام احمد بن عرفان بن نور الشهيد السعيد۔[1]

جائز ہے ورنہ ہر عامی کو اجتہاد کا مکلف قرار دینا لازم آئیگا یہ شیخ ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلوی ان کے پوتے اسماعیل بن عبدالغنی بن ولی اللہ اور سیدنا امام احمد بن عرفان بن نور شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بیشتر پیروؤں کا یہی مسلک ہے۔

موصوف کے نامور فرزند مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے سیرت سید احمد شہیدؒ میں ان کے مسلک پر کچھ نہیں لکھا ہے بلکہ سید صاحبؒ کے اکابر و اسلاف کا تذکرہ جن الفاظ میں کیا ہے اس کا حاصل بھی وہی نکلتا ہے جو ان کے والد ماجد مولانا سید عبدالحیؒ کے الفاظ میں اوپر گذر چکا ہے۔

شیخ محمد اکرم نے "موج کوثر" میں اس مسئلہ کو مسلک ولی اللہی اور وہابیت کے عنوان سے چھیڑا ہے لیکن موصوف نے اس بحث کو سلجھانے کے بجائے اور الجھا دیا ہے لکھتے ہیں۔

وہابی عقائد میں ایک اہم عقیدہ عدم وجوب تقلید شخصی کا ہے اس مسئلہ پر شاہ اسماعیل شہیدؒ نے سفر حج کے بعد اپنے آپ کو غیر مقلد ظاہر کیا مولوی عبدالحیؒ ان سے متفق تھے اور سید صاحبؒ کے عقائد کے متعلق اختلاف رائے ہے۔[2]

---

[1] ملاحظہ ہو الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند (طبع دمشق ۱۳۷۷ھ ص ۱۰۳

[2] اختلاف رائے کی بات شاہ اسماعیل شہیدؒ کے بارے میں کہی جاتی تو کسی عنوان درست بھی ہو سکتی تھی شاہ اسمٰعیل اور شاہ ولی اللہ رحمہما اللہ کے متعلق وہی رائے درست

(بقیہ حاشیہ ص ۔ پر)

لیکن جہاد کے دوران میں مخالفین عام مسلمانوں کو سید صاحبؒ کے عقائد کے بارے میں بہکانے لگے اور انھوں نے بمقام پنجتار مذہبی مسائل کی تشریح کے لئے افغان علماء کو بلایا اور شاہ اسمٰعیل صاحبؒ نے بڑی قابلیت سے مسئلہ عدم وجوب تقلید کی حمایت کی اس وقت شاہ صاحبؒ نے جو رائے دی وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے انھوں نے فرمایا کہ یہ وقت ترکِ تقلید کا نہیں، ہم کو اس وقت کفار سے جہاد کرنا ہے تقلید کا جھگڑا اٹھا کر اپنے اندر تفرقہ ڈالنا بہتر نہیں۔ اس جھگڑے سے جس کی بنا ایک فروعی اختلاف سُنّت یا مستحب ہے۔ ہمارا اصل کام ہجرت اور جہاد کا جو فرض عین ہے فوت ہو جائے گا۔ مولانا سیّد احمد رائے بریلویؒ کی وفات کے بعد یہ مسئلہ اور بھی پیچیدہ ہو گیا[۱]

شیخ صاحبؒ کے مذکورہ بالا بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحبؒ نے عدم وجوب تقلید کے مسئلہ کو اس عنوان سے کہ یہ وقت ایک فروعی اختلاف کا نہیں بلکہ فرضیت جہاد کا ہے ٹال دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خیال میں یہ مسئلہ نہ سید شہیدؒ کی حیات میں طے ہوا بلکہ ان کی وفات کے بعد اور بھی پیچیدہ ہو گیا۔ قطع نظر اس کے کہ شیخ صاحبؒ کا بیان کردہ واقعہ کس حد تک صحت سے قریب ہے۔ یہ طریق بحث اس وقت میں سید صاحبؒ کے حق میں ہی نہیں بلکہ ان کی پوری دینی تحریک کے حق میں بھی سخت ضرر رساں تھا اور یہ مسئلہ ہرگز ایسا نہ تھا کہ اس عنوان سے معترضین کو خاموش کیا جا سکتا۔ جیسا کہ سید صاحبؒ کی تصریحات

(بقیہ حاشیہ ص ۔ ۔) ہے جو سید احمد شہیدؒ سے محققین علماء کے متعلق منقول ہے (جیسا کہ آگے آتا ہے) اسی لئے ارباب نظر اہل علم نے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو کسی دور میں بھی غیر مقلد تسلیم نہیں کیا ہے۔

[۱] ملاحظہ ہو "موجِ کوثر" مطبوعہ استقلال پریس لاہور ص ۴۳، ۴۴۔

سے (جو آگے آتی ہیں) ظاہر ہے۔

مولانا غلام رسول مہر نے سید صاحبؒ پر بڑی محنت کی ہے مگر انھوں نے بھی اس امر سے بحث نہیں کی ہے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (طبع جدید، لیڈن) کے فاضل مقالہ نگار ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ نے بھی اپنے مقالہ میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

مولانا مہر صاحب کو اس امر کا اعتراف ہے کہ بعض علماء کے طرز عمل سے سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقا پر سرحد کے چند نامور علماء کی طرف سے جو سب سے پہلا اور سنگین اعتراض کیا گیا تھا وہ یہی تھا کہ ان کا کوئی مسلک و مذہب نہیں ہے، موصوف "سید احمد شہیدؒ" میں لکھتے ہیں۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے مجموعہ مکاتیب میں دو مکتوب ایسے ہیں، جو پشاور کے دس علماء کے نام بھیجے گئے [۱]۔ پہلا ۱۹ ربیع الثانی ۱۲۴۵ھ (۲۰ اکتوبر

---

[۱] ان علماء کے نام اور مختصر حالات مولانا مہر صاحب کے الفاظ میں درج ذیل ہیں۔

(۱) مولانا حافظ محمد احسن بن محمد صدیق معروف بہ حافظ دراز پشاور معتبر عالم علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر تھے، سرحد سے سمرقند تک ان کے علم کا چرچا تھا (۲) مولانا حافظ محمد عظیم: علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں شیخ وقت، صحاح ستہ کے اسانید زبانی یاد تھے، روتے بہت تھے۔ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے، جب اخوند سید امیر عرف ملا کوٹھا پر معاندوں نے کفر کا فتویٰ لگایا تو انہوں نے علی الاعلان خلاف رائے دی۔ ملا کوٹھا انہیں کے شاگرد تھے۔ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۵ھ (۲۶ دسمبر ۱۸۵۸ء) وفات پائی (۳) مولانا غلام حبیب:۔ بڑے عالم تھے انھوں نے ملا صاحب کوٹھا کے خلاف فتویٰ تکفیر کی مخالفت کی تھی ان کے فرزند مولانا غلام جیلانی مرحوم نے ان کا کتب خانہ اسلامیہ کالج پشاور کو دیدیا تھا۔ (۴) مولانا مفتی محمد احسن بن مولانا مفتی محمد احمد متبحر عالم تھے، مکان محلہ کوٹلہ رشید خان علاقہ گنج پشاور میں تھا (۵) مولانا مفتی حافظ احمد (۶) مولانا عبدالملک اخوند زادہ (۷) مولانا مراد اخوند زادہ (۸) مولانا قاضی سعدالدین (۹) مولانا قاضی مسعود (۱۰) مولانا عبداللہ اخوند زادہ (منڈ)

۱۸۲۹ء) کو دوسرا ۷، شوال ۱۲۴۵ھ (۱۱ اپریل ۱۸۳۰ء) کو ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان علماء کی طرف سے سید صاحبؒ اور آپ کے رفقاء پر کئی الزام لگائے گئے تھے مثلاً۔

(۱) سید صاحبؒ اور آپ کے رفقاء الحاد و زندقہ میں مبتلا ہیں۔ ان کا کوئی مذہب و مسلک نہیں ہے، نفسانیت کے پیرو ہیں اور لذاتِ جسمانی کے جویا۔

اس کے بعد دیگر الزامات کو نام بنام گِنا کر لکھا ہے۔

یہ الزامات سراسر بے اصل تھے، سید صاحبؒ نے ان کا شافی جواب دیا[2]۔

مولانا مہر نے وہ جواب نقل نہیں کیا اور نہ اس کا خلاصہ اپنے الفاظ میں کہیں پیش کیا، ورنہ بات صاف ہو جاتی۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری نے ان محولہ بالا دو مکتوب میں سے پہلا مکتوب جو ۱۹، ربیع الثانی ۱۲۴۵ھ کو سید احمد شہیدؒ نے لکھوایا تھا، سوانح احمدی میں نقل کر دیا ہے۔ یہ مکتوب خاصا طویل ہے اس کا صرف وہ ابتدائی حصہ جو اس موضوع سے متعلق ہے ہدیۂ ناظرین ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از امیر المومنین سید احمد بخدمت عالیات منابع ہدایات مصادر افادات ہادیان راہِ دین، خادمان شرع مبین ناشران احکام رب العالمین نائبان رسول امین مولانا حافظ دراز و مولانا حافظ محمد امین و مولانا عبد الملک اخوند زادہ و مولانا حافظ مراد اخوند زادہ و مولانا غلام حبیب اخوند زادہ و مولانا قاضی سعد الدین و مولانا قاضی

امیر المومنین سید احمد کی طرف سے بخدمت عالی مخزن و مرجع افادات رہبران راہ دین، خادمان شرع مبین ناشران احکام رب العالمین، نائبان رسول امین، مولانا حافظ دراز مولانا حافظ محمد عظیم، مولانا عبد الملک اخوند زادہ، مولانا حافظ مراد اخوند زادہ، مولانا غلام حبیب اخوند زادہ، مولانا قاضی سعد الدین، مولانا قاضی مسعود، مولانا عبد اللہ اخوند زادہ، مولانا محمد حسن اخوند زادہ، مولانا

مسعود و مولانا عبداللہ اخوند زادہ و
مولانا محمد حسن اخوند زادہ و مولانا
حافظ احمد اخوند زادہ و جمیع علماء
بلدۂ پشاور سلمہم اللہ تعالیٰ۔

بعد ادائے تحیات و دعائے
ترقی مدارج ہدایات مکشوف باد،
دریں ایام چناں مسموع گردیدہ کہ
بعضی از مجادلین بے انصاف و
مکابرین با انتساب چندے از وساوس
فتنہ انگیز و شبہات عناد آمیز نسبت
با فقراء مہاجرین و ضعفائے مجاہدین
بر تاختہ در جمہور انام از خواص و عوام
متلبس ساختہ آتش عداوت درمیان
مسلمین محض بلقلقۂ لسانی افروختہ
و مایۂ شقاوت پنہانی برائے خود اندوختہ
وبال کذاب و افتراء بر گردن خود
برداشتہ و نکال دروغ بیفروغ
بروز جزاء برائے خود مہیا ساختہ
معاذ اللہ من ذلک۔ علاوہ
برایں آنکہ بذریعہ افتراء و بہتان
اضلال بعضی از اہل ایمان کردہ و

حافظ احمد اخوند زادہ اور تمام علماء پشاور
سلمہم اللہ تعالیٰ۔

بعد سلام و دعائے ترقی مدارج
معلوم ہو کہ ان دنوں سنا گیا ہے
کہ بعض بے انصاف جھگڑالو
مخالف دشمنوں نے ہم ضعیف
مجاہدین اور فقیر مہاجرین کی نسبت کچھ
فتنہ انگیز وسوسے اور عناد آمیز شبہے پیدا
کر دیئے ہیں اور تمام عوام و خواص میں
شہرت دیکر اپنی زبان آوری سے مسلمانوں
کے درمیان عداوت کی آگ لگا رکھی ہے
انھوں نے شقاوت باطنی کا سرمایہ جمع کیا
کذب و افترا کا وبال اپنی گردن پر رکھا
ہے اور دروغ بے فروغ کا عذاب قیامت
کے دن کے لئے اپنے واسطے تیار کیا ہے۔
اس سے اللہ کی پناہ! اس کے علاوہ یہ
بات بھی ہے کہ بہتان تراشی اور افتراء
پردازی کر کے بعض مومنین کو گمراہ کیا اور
ان کو رب العالمین کی راہ سے جو کہ مہاجرین
مجاہدین کے ساتھ شرکت سے عبارت ہے
دور تر کر دیا ہے اور ان کے اذہان میں

ایشان را ازراہ رب العالمین کہ عبارت
از مشارکت مہاجرین مجاہدین است
دور تر بردہ در از ہان ایشان بہ نسبت
خدام شرع مبین سوظنی انداختہ و
راہ راست جہاد را در نظر ایشان راہ
کج ساختہ آیہ کریمہ اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ
عَلَى الْکَاذِبِیْن و آیہ کریمہ اَلَا
لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَى الظَّالِمِیْنَ
الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ
اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَہَا عِوَجًا گاہے نخواندہ
واسپ نظر و فکر را در میدان انصاف
نراندہ ہر چند ما ضعفاء کہ محض
باستعانت رب العالمین اعتقاد
میداریم و فقط عنایت اورا قابل
اعتقاد می شماریم و فقط مخالفت
مخلوقین را بخیال نمی آریم و اشتہار
نام نیک و بد را درمیان ابنائے
زمان بجوئے نمی شماریم و ایشان را
ہمرنگ مدح ایشان ساقط الاعتبار
می دانیم و دائما منتظر نزول رحمت
قادر مختار می مانیم اما بحکم حدیث

خادمان دین متین کی نسبت بدگمانی
پیدا کردی ہے۔ اور آیت پاک لعنۃ
اللہ علی الکاذبین (پ۳)
جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے اور آیت پاک
الا لعنۃ اللہ علی الظلمین
الذین یصدون عن سبیل اللہ
ویبغونہا عوجا پ۱۲ سو پھٹکار ہے
اللہ کی ناانصاف لوگوں پر جو کہ روکتے
ہیں اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈتے ہیں
اس میں کجی کو، کبھی پڑھا نہیں ہے اور
فکر و نظر کے گھوڑے کو انصاف کے میدان
میں دوڑایا نہیں ہے۔ ہر چند ہم ضعیف
لوگ جو صرف رب العالمین کی مدد پر یقین
رکھتے ہیں اور محض اسکی عنایت کو قابل
اعتماد سمجھتے ہیں مخلوق کی موافقت و مخالفت
کا خیال بھی نہیں کرتے ہیں اور اپنے
ہمعصروں کے اندر نیک نامی بدنامی کی
شہرت کو ایک جو کے برابر بھی نہیں
سمجھتے ان کی مذمت کو ان کی مدح کی
طرح ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں اور ہمیشہ
قادر مختار کی نزول رحمت کے منتظر رہتے

اتقوا من مواضع التہم
دفع تہمت ایشان لازم دانستیم
وبنا بر توقع آنکہ شاید کسے از
مخلصین صادقین عزم مشارکت
مجاہدین داشتہ باشد وباسبب
تہمت وافترائے ایشان رو تافتہ
باشد شاید بکشف حقیقت الحال
وحل عقدۂ اشکال باز براہ راست
معاودت نماید وبطریق اخلاص مراجعت
فرماید بنار علیہ بیان واقع را درین
باب واجب شمردیم پس می گویم کہ
چناں شنیدہ ایم کہ از جملہ مفتریات
آں مفتریاں آنست کہ این فقیر را
بلکہ زمرۂ مجاہدین را بہ الحاد وزندقہ
نسبت می نمایند یعنی چناں اظہار
می کنند کہ این جماعۂ مسافرین ہیچ
مذہب ندارند وہیچ مسلک مقید
نیستند بلکہ محض راہ نفسانیت
می پویند وبہر وجہ لذات جسمانی می
جویند خواہ موافق کتاب باشد
خواہ مخالف معاذ اللہ من ذلک

ہیں لیکن حدیث شریف اتقوا من
مواضع التہم (کہ تہمت کی جگہوں سے
بھی بچو) کے حکم کے بموجب ان کی تہمت
کو خیال سے دور کرنا لازم سمجھتے ہیں کہ شاید
مخلص حق پرستوں میں سے کوئی مجاہدین
کی شرکت کا عزم رکھتا ہو اور اس نے ان
کی تہمت وافتراء پردازی کی وجہ سے منہ
موڑ لیا ہو، ممکن ہے حقیقت حال واضح ہو جائے
اور عقدۂ اشکال حل ہو جانے سے وہ پھر
راہ راست کی طرف لوٹ آئے اور از راہ
اخلاص واپس آجائے اس بنا پر اس
سلسلہ میں حقیقت حال واضح ہو جائے
اور عقدۂ اشکال حل ہو جانے سے وہ پھر
راہ راست کی طرف لوٹ آئے اور از راہِ
اخلاص واپس آجائے اس بنا پر اس سلسلہ
میں حقیقت حال کو واضح کرنا ضروری سمجھتے
ہیں، ہم کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا سنا ہے کہ
ان افتراء پردازوں کی افتراء پردازیوں میں
سے یہ ہے کہ اس حقیر کو بلکہ مجاہدین کے پورے
گروہ کو الحاد وزندقہ کی طرف نسبت کرتے
ہیں یعنی یوں بیان کرتے ہیں کہ مسافرین

پس باید دانست کہ نسبت
بامردم باین امر شنیع افترائیست
قبیح وبہتانیست صریح این فقیر
وخاندان این فقیر در بلاد ھندوستان
گمنام نیست الوف الوف انام از
خواص وعوام این فقیر واسلاف
این را می دانند کہ مذہب این فقیر
اعنی جد مذہب حنفی است و
بالفعل ہم جمیع اقوال وافعال این
ضعیف برقوانین اصول حنفیہ
وآئین وقواعد ایشان منطبق است
یکے ازآن خارج از اصول مذکورہ
نیست الاماشاءاللہ آنچہ ازھمہ
افراد انسان بسبب غفلت ونسیان
صادر می گردد کہ بخطائے خود معترف
می باشد وبعد از اعلام براہ راست
معاودت می نماید۔

آرے در ہر مذہب طریق
محققین دیگر می باشد وطریق غیر
ایشان دیگر ترجیح بعض روایات
بر بعضی دیگر نظر بقوت دلیل

کی یہ جماعت کوئی مذہب نہیں رکھتی اور
نہ کسی مسلک کی پابند ہے بلکہ محض نفسانیت
کی پیروا اور لذاتِ جسمانی کی جویا ہے خواہ
کتاب اللہ کے موافق ہو خواہ مخالف اس
سے خدا کی پناہ! پس جاننا چاہیئے کہ ایسی
بات کی ہم لوگوں کی طرف نسبت بہت
بڑا افتراء اور کھلا ہوا جھوٹ ہے یہ
فقیر اور اس فقیر کا خاندان ہندوستان
میں گمنام نہیں۔ ہزارہا انسان خواص
ہوں یا عوام اس فقیر کو اور اس کے بزرگوں
کو جانتے ہیں کہ اس فقیر کا آبائی مذہب
مذہب حنفی ہے اور اس زمانہ میں بھی اس
فقیر کے تمام اقوال اور افعال حنفیہ کے اصول
قوانین اور انہی کے آئین اور قواعد پر منطبق
ہیں ایک بھی ان اصول مذکورہ سے خارج
نہیں ہے الاماشاءاللہ جو انسان سے
غفلت اور بھول چوک سے صادر ہو جاتا
ہے تو وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتا ہے
اور اطلاع پانے کے بعد راہ راست پہ
آجاتا ہے۔

ہاں ہر مذہب میں محققین کا طریقہ

توجیہ بعض عبارات منقول از سلف و تطبیق مسائل مختلفہ مدوّن در کتب وامثال ذلک دائماً از کاروبار اہل تدقیق و تحقیق است باین سبب ایشان خارج از مذہب نمی توانند شد بلکہ ایشان را لب لباب اہل آں مذہب باید شمرد ہرکہ دریں مقدمہ شبہ داشتہ باشد لازم است کہ نزد ایں فقیر آمدہ بالمشافہ حل اشکال نماید یا خود بفہمد و یا ایں فقیر را بفہماند[1]

اور ہوتا ہے اور جو محقق نہیں ہوتے ان کا اور ہوتا ہے۔ بعض روایتوں کو بعض پر ترجیح دینا، قوت دلیل کو دیکھنا، سلف سے بعض منقول عبارتوں کی توجیہہ کرنا کتابوں میں مدوّن شدہ مختلف مسائل میں تطبیق دینا اور اسی طرح کے اور امور ہیں یہ ہمیشہ اہل تحقیق و تدقیق کا منصب رہا ہے اس وجہ سے ان کو مذہب سے خارج نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ انہی کو اہل مذہب کا لب لباب سمجھنا چاہیئے۔ جس کسی کو اس مقدمہ میں کوئی شبہ ہو اس پر ضروری ہے کہ وہ اس فقیر کے پاس آکر رو در رو اشکال حل کرے یا خود سمجھ لے یا فقیر کو سمجھا دے۔

سید شہیدؒ کی کتاب حقیقۃ صلوٰۃ کے حسب ذیل جملے بھی موصوف کے حنفی ہونے کی بین دلیل ہیں۔

"جلسے اور قومے میں سوا ان دو دعاؤں کے اور بھی صحیح حدیثوں میں منقول ہے لیکن حنفی مذہب میں ایسا ثابت ہوا ہے کہ وہ دعائیں اگر نفل نماز کے قومے اور جلسے میں پڑھے تو سنت ہے

[1] ملاحظہ ہو تواریخ عجیب موسوم بہ سوانح احمدی از مولوی محمد جعفر تھانیسری مطبع فاروقی دہلی ۱۳۰۷ھ ص۲۰۵ تا ۲۰۷ اسی اصول کے اعتبار سے ارباب نظر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو حنفی کہتے ہیں اور ان کو زمرۂ محققین احناف میں شمار کرتے ہیں۔

اس لئے کہ فرض نماز میں ان دعاؤں کا پڑھنا سُنّت نہیں ہے

حقیقت یہ ہے کہ عُلماء پشاور نے تو یہ سوال بہت بعد میں اٹھایا تھا۔ ہندوستان میں جب سیّد صاحبؒ کا قیام اپنے وطن بریلی میں تھا اسی زمانہ میں موصوف کے مشہور خلیفہ مولانا کرامت علی جونپوری نے سیّد صاحبؒ سے تقلید ائمہ کے بارے میں سوال کیا تھا۔ موصوف کا بیان ہے۔

اس عاجز نے بریلی میں حضرت مولانا عبدالحیٔ رحمۃ اللہ سے پوچھا کہ ہم کس پر عمل کریں اور کس امام کی تقلید میں نجات ہے۔ فرمایا " فقہ پر عمل کرو اور چاروں اماموں میں سے جس کی تقلید پر کوئی مرے گا نجات ہے۔" اور بریلی میں اپنے مرشد حضرت سیّد احمد ادام اللہ برکاتہ سے پوچھا کہ کس پر عمل کریں۔ آپنے فرمایا کہ " فقہ کی متون پر مثل حدیث متواتر کے آنکھ موندے عمل کیا کرنا اور فتاوی کو تحقیق کر لینا کیونکہ اس میں نرم گرم سب طرح کی روایتیں لاتے ہیں" اور یہی بات حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہا اللہ وغیرہ علمائے دین کی تصنیفات سے ظاہر ہے[1]

موصوف " نور علی نور میں فرماتے ہیں[2]

مرشد برحق آپ مقلد تھے اور تقلید کے خلاف جو کوئی شخص کرتا تو اپنے قافلہ سے نکلوا دیتے اور جو تعلیم پذیر ہوتا تو حضرت مرشد برحق اس کو نصیحت کر کے راہ پر لاتے اور یہ بات تمام ہندوستان اور بنگالے میں مشہور ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو قوۃ الایمان از مولانا کرامت علی جونپوری مطبع قادری کلکتہ سنہ ۱۲۵۳ھ صفحہ ۲۹۰۔

[2] ملاحظہ ہو "نور علی نور" از مولانا کرامت علی جونپوری اعظم المطابع جونپور ۱۳۲۵ھ صفحہ ۱۴۔

مولانا کرامت علی جونپوری قوۃ الایمان میں رقمطراز ہیں

"اس بات کے ہزاروں مرد دین دار عالمین با عمل گواہ ہیں حضرت پیر مرشد مقلد" تھے حنفی المذہب اور اپنے قافلے ایسے لوگوں کو نکلوا دیتے تھے اور بعضوں سے توبہ کرا دیا تھا، اس بات کو جو کوئی چاہے تحقیق کرے۔

(قوۃ الایمان ص ۲۰۸)

اسی کتاب "نور علیٰ نور" میں ایک موقعہ پر لکھتے ہیں۔

حضرت مرشد برحق نے خلافت نامہ میں تقلید کا حکم دیا ہے اور آپ مقلد تھے، حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اور حضرت مرشد برحق اپنے حنفی ہونے کا فخر کرتے تھے اور جب ان کی مجلس میں حدیث کی کوئی کتاب پڑھی جاتی اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے مذہب کے موافق کوئی حدیث نکلتی تب فرماتے تھے کہ اس مسئلہ میں جس حدیث پر ہمارے امام صاحب نے تمسک کیا ہے اس کو بھی پڑھو اور اس عاجز نے لامذہبوں کی باتوں کا کہیں کہیں غلغلہ سن کے مرشد برحق سے پوچھا کہ وہ لوگ حدیث پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور فقہ پر عمل کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اس مقدمہ میں حضور کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ تب حضرت مرشد نے بطور وصیت کے بڑی تاکید سے فرمایا کہ المتون کالمتواتر تم فقہ کی متون کتابوں پر آنکھ موندے ہوئے بلا کھٹکے چلے جاؤ اور فتاویٰ میں خوگیر کی بھرتی ہوئی ہے یعنی اس میں قوی، ضعیف سب طرح کی روایت ہوتی ہے۔ اس کو چن چان پھونک پھانک لینا ہے یعنی اس کو خوب تحقیق کر کے مفتی بہ پر عمل کرنا ہے [1]

مولانا عبد الحکیم تنبیہ المغتر میں رقمطراز ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو "نور علی نور"، از مولانا کرامت علی جونپوری، اعظم المطابع جونپور ۱۳۲۵ھ ص ۱۱

بڑے بڑے مفسرین و محدثین کیا ارباب شریعت و کیا صاحبان طریقت سب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہوئے ہیں۔ خود طریقہ مجددیہ کے پیشوا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث طریقہ محمدیہ کے بڑے امیر المومنین امام امجد حضرت سید احمد اور ان کے خلفاء مولانا محمد اسمٰعیل، مولانا عبدالحئی، مولوی سید محمد علی صاحب واعظ، مولوی خرم علی صاحب، مولوی کرامت علی صاحب وغیرہم یہ سب حنفی المذہب تھے، کتاب ایضاح الحق (الصریح) جو تصنیف سے مولانا ممدوح محمد اسمٰعیل صاحب کے ہے سو حنفی المذہب کے اصول و قواعد پر مبنی ہے[1]

نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ نے ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو حنفی تسلیم کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں۔

خاندان محمد بن عبدالوہاب بیت علم حنابلہ بود و خاندان ایشان بیت علم حنفیہ است و ایشان را بہ اوشان ہیچ علاقہ تلمذ یا ارادت یا ہموطنی یا صحبت یا معرفت گاہے نبودہ۔[2]

محمد بن عبدالوہابؒ کا خاندان حنبلی المذہب تھا اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا خاندان حنفی مسلک کا پیرو تھا ان کا ان سے نہ شاگردی کا تعلق تھا نہ عقیدت اور ہموطنی کا نہ صحبت اور ہمنشینی تھی اور نہ کبھی ایک دوسرے کا آپس میں تعارف ہی ہوا تھا۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سید احمد شہید اپنے شیخ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی طرح پکے حنفی تھے اور انہی کے طریقہ پر سختی سے عامل تھے فروع میں آزادی رائے اور آزادی عمل کے قائل نہیں تھے اور نہ اسکو اچھا سمجھتے تھے۔

---

[1] تنبیہ المغتر، مطبع مسلمانی دیلمور ۱۲۸۴ھ ص۳۶

[2] ہدایۃ السائل، مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۲ھ

فرامین نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

از

محدث ابو جعفر محمد بن ابراہیم الدیبلی السندھی

ترجمہ و تحقیق

مولانا محمد عبدالشہید نعمانی

تیسری صدی کے مشہور عالم امام طحاوی اور مصنفین صحاح ستہ کے معاصر اور سرزمین سندھ کے نامور محدث ابو جعفر محمد بن ابراہیم الدیبلی السندھی المتوفی ۳۲۲ھ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب پر بے مثال تالیف جسے مکاتیب کے موضوع پر دستیاب باقاعدہ تصانیف میں اولین کتاب کی حیثیت حاصل ہے

مولانا محمد عبدالشہید نعمانی استاد شعبہ عربی جامعہ کراچی نے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا اور ساتھ ہی مفصل حواشی تحریر کئے ہیں جو نہایت قیمتی معلومات اور گرانقدر تحقیقات پر مشتمل ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب پر یہ ایک نادر دستاویز ہے جو پاکستان میں پہلی بار ادارہ الرحیم اکیڈمی شائع کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔

اسلامی کتب خانے عہد عباسی میں

از

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی

یہ اسلامی کتب خانوں کے موضوع پر ہر قسم کی علمی وفنی معلومات سے آراستہ اپنی نوع کی واحد کتاب اور اس فن پر نہایت معلومات افزا و نادر تحقیقات کی آئینہ دار ہے جسے مؤلف نے پہلی مرتبہ اسلامی نظریات و افکار کی بنیاد پر نہایت محنت و عرق ریزی سے ترتیب دیا اور اصل ماخذوں سے استفادہ کے بعد اس موضوع کے ہر اہم گوشہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

یہ چھ سو سالہ عہد عباسی (۱۳۳ھ = ۷۶۴ء / ۶۵۶ھ = ۱۲۵۸ء) کی فکری تحریکات اور اسلامی قلمرو میں شاہی، عوامی، انفرادی، خصوصی وفنی کتب خانوں، جامعات و مدارس، خانقاہوں، سرایوں، تکیوں اور رباطوں کے کتب خانوں کا شاندار مرقع ہے۔

اس میں عہد عباسی کے کتب خانوں کی عمارتوں، عملے، نظم و ترتیب، تنظیم، فہرست سازی و فہرست نگاری کے اصول و مبادی، وراقت، کاغذ سازی، وسائل کتابت، کتاب سازی، جلد سازی، کتابوں کی تزئین و آرائش اور نامور ناظمین کتب خانہ کے متعلق حقائق پر مبنی معلومات پیش کی گئی ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ سے مستشرقین کے بعض ان اعتراضات و الزامات کی واضح تردید ہو جاتی ہے جو کتب خانوں کی بربادی کے سلسلہ میں وہ آئے دن مسلمانوں کے سر دھرتے چلے آئے ہیں۔

انہی خصوصیات کی وجہ سے ملک کے نامور دانشور و محققین نے ان معلومات کو سراہا اور داد تحقیق دی ہے۔ اسلامی و اردو ادب میں اسلامی کتب خانوں کے موضوع پر یہ وسیع و مفید معلومات اس عصر کی نہایت کامیاب تالیف ہے۔ (زیر طبع)